

1370



# امالیہ

## مرحومہ و مغفورہ

مولانا عبدالقیوم حقانی کی سحر انگیز قلم سے ایک حیرت انگیز، روح پرور اور ایمان افروز داستانِ عبرت جسے پڑھ کر پتھر دل نرم اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔ ایک ایسی داستان، جو سبق آموزی میں سب کے لئے یکساں ہے

تالیف

عبدالقیوم حقانی

القاسم اکیڈمی • جامعہ ابوہریرہ

خالق آباد • ضلع نوشہرہ • سرحد - پاکستان

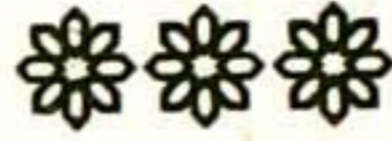
2005





# اماں جی مرحومہ و مغفورہ

مولانا عبدالقیوم حقانی



مولانا عبدالقیوم حقانی کی سحر انگیز قلم سے ایک حیرت انگیز روح پرور اور ایمان افروز داستانِ عبرت جسے پڑھ کر پتھر دل نرم اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہے۔ ایک ایسی داستان جو سبق آموزی میں سب کے لئے یکساں ہے۔



القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

2005



## جملہ حقوق بحق القاسم اکیڈمی محفوظ ہیں

84333

نام کتاب	-----	اماں جی مرحومہ و مغفورہ
تصنیف	-----	مولانا عبدالقیوم حقانی
کمپوزنگ	-----	حافظ محمد طاہر / جان محمد جان
ضخامت	-----	132 صفحات
تاریخ طباعت بار دوم	-----	ذیقعدہ ۱۴۲۶ھ / دسمبر 2005ء
ناشر	-----	القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ برانچ پوسٹ آفس، خالق آباد نوشہرہ

### ملنے کے پتے

.....

- ☆ صدیقی ٹرسٹ، صدیقی ہاؤس، المنظر اپارٹمنٹس 458 گارڈن ایسٹ، نزد لسبیلہ چوک، کراچی
  - ☆ مولانا سید محمد حقانی، مدرس جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، ضلع نوشہرہ
  - ☆ کتب خانہ رشیدیہ، مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راجہ بازار، راولپنڈی
  - ☆ مکتبہ سید احمد شہید، ۱۰ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
  - ☆ زم زم پبلشرز، نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی
  - ☆ مکتبہ بخاری، صابری مسجد گلستان کالونی مرزا آدم خان روڈ، لیاری کراچی
  - ☆ مولانا خلیل الرحمن راشدی صاحب، جامعہ ابوہریرہ، چنوں موم ضلع سیالکوٹ
- اس کے علاوہ اکوڑہ خٹک اور پشاور کے ہر کتب خانہ میں یہ کتاب دستیاب ہے





## فہرستِ مضامین

صفحہ نمبر	عنوان
۹	کچھ اپنی بات
۱۵	ماں باپ کا مقام، حیثیت و عظمتِ شان
۱۵	قرآنی ہدایات
۱۶	نبوی تعلیمات
۱۶	والدین اولاد کی جنت و جہنم ہیں
۱۶	اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے
۱۶	والدہ کے اولاد پر حقوق
۱۷	جس نے والدین کی خدمت نہیں کی وہ ذلیل ہو گیا
۱۷	والدین کی خدمت بھی جہاد ہے
۱۸	جہاد کے لئے والدین کی اجازت
۱۹	ماں کے قدموں میں جنت
۱۹	والدین کی فرمانبرداروں کا بیان
۱۹	ماں نہ ہو تو خالہ کے ساتھ حسن سلوک
۲۱	والدہ مشرکہ ہو تب بھی صلہ رحمی ضروری ہے
۲۱	انتقال کے بعد والدین کے حقوق
۲۲	والدین کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک
۲۳	زندگی میں والدین کی نافرمانی اولاد بعد المرگ کیا کرے
۲۳	والدین کی خدمت عمر میں برکت



- ۲۳ ----- والدین سے حسن سلوک اولاد کے حسن سلوک کا باعث بنے گی
- ۲۴ ----- والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہ ہے
- ۲۴ ----- ماں باپ کو گالیاں نہ دو
- ۲۵ ----- اماں جی مرحومہ و مغفورہ
- ۲۵ ----- تہجد کے لئے قیام
- ۲۶ ----- نزع کے وقت آیت کریمہ کا ورد
- ۲۷ ----- امتحانات کا پل صراط
- ۲۸ ----- یتیم بیٹے کی تعلیم کا اہتمام
- ۲۹ ----- محنت مزدوری اور مشقت
- ۲۹ ----- ذوق تلاوت اور درس و تدریس
- ۳۰ ----- کسمپرسی کی حالت
- ۳۱ ----- سورۃ یسین کی برکتیں
- ۳۱ ----- نقش ہزار رنگ
- ۳۲ ----- والد مرحوم کی علالت اور خدمت
- ۳۳ ----- اللہ پاک یتیموں کا سہارا بن جاتے ہیں
- ۳۳ ----- عمامہ کا اہتمام
- ۳۴ ----- میٹرک کیلئے داخلہ کا مرحلہ
- ۳۶ ----- شدت کی بارش رات کی تاریکی اور اماں جی کا طویل پیدل سفر
- ۳۷ ----- دھڑکتے ہوئے دل کی دعاؤں کے ثمرات
- ۳۸ ----- درابن ہائی سکول کے ہاسٹل میں
- ۳۸ ----- دسویں جماعت کے امتحان میں کامیابی
- ۳۹ ----- اکابر علماء دیوبند کی ملاقات (۱۷۰ء/۱۷۰ء) کا الیکشن
- ۴۰ ----- اماں جی مولانا مفتی محمود کی پولنگ ایجنٹ
- ۴۰ ----- صاحبزادہ مولانا عبدالحلیم فاضل دیوبند کی صحبت کی برکت



۴۰	-----	کارخانے کی ملازمت راس نہ آئی
۴۲	-----	اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے دینی تعلیم کی اجازت دیدی
۴۲	-----	دینی تعلیم کی تحصیل سے قبل ایک شدید امتحان
۴۳	-----	غلام مصطفیٰ خان تھانیدار اور نجم المدارس کلاچی میں داخلہ
۴۳	-----	ایمان دار خاتون کا تاریخی کارنامہ
۴۵	-----	نجم المدارس میں نئی زندگی کا آغاز
۴۶	-----	تعلیم و تربیت کی ایک مثال
۴۷	-----	دھڑکتا ہوا دل
۴۷	-----	اولاد کے اعمال، صدقہ جاریہ
۴۹	-----	جب اُستاد کا دل خوش ہو گیا
۴۹	-----	قاری صاحب آگئے
۵۰	-----	بچوں میں دینی اور نیم سیاسی کام
۵۱	-----	مہمانوں کی خدمت اور سخاوت
۵۲	-----	اچھے دوست
۵۲	-----	محلہ کی مسجد پر جمعیت کا جھنڈا
۵۳	-----	ماموں کے گھروں میں شادیاں
۵۳	-----	خدا کی رضا دین کے کام میں ہے
۵۵	-----	بڑی ہمشیرہ صاحبہ امتحان کا ایک اور مرحلہ
۵۷	-----	گندم کی روٹی پر لڑائی
۵۷	-----	پیشہ حصولِ رزقِ حلال
۵۸	-----	اربابِ علم و کمال کے محرکات
۵۹	-----	جب گھر میں افلاس کی بہار تھی
۵۹	-----	جب اپنے ہاتھ خالی ہوں
۶۰	-----	جب صراخی خالی ہو



صفحہ نمبر	عنوان
۶۱	مخلوق نہیں خالق کے در دولت پر
۶۳	دینی اور علمی زندگی کی حشتِ اول
۶۳	تبلیغی جماعت یا حضرِ راہ
۶۶	ایک قیامت خیز واقعہ
۷۰	جب دینی طالب علمی کا باقاعدہ آغاز ہوا
۷۰	نصیحت کا حکیمانہ انداز
۷۱	ایک نوجوان ساتھی کا طنز کام کر گیا
۷۲	مولانا محبت الرحمان شہید کی شفقتیں
۷۳	صرف چار کتابیں ملیں اور سماع بھی روک دیا
۷۴	استاد مکرم مولانا عزیز الرحمان صاحب
۷۵	کتاب پر اعراب نہیں تو کیسے پڑھوں
۷۶	اقبال کی نظم
۷۷	ایک مقدس لفظ "ماں" کی تشکیل
۷۷	مشاہیر کے اقوال
۷۹	ماں کی خدمت کی برکت سے قلب انوار الہی سے معمور ہو گیا
۷۹	نجم المدارس کلاچی میں سالِ اول
۸۰	اماں جی مرحومہ کے خطوط
۸۱	سفر بھی امتحان ہوتا ہے
۸۲	قرآن ہی اصل علم ہے
۸۲	ترجمہ قرآن میں پہلی شرکت
۸۳	اماں جی مرحومہ نے امتحان لیا
۸۳	عشقِ رسول ﷺ
۸۴	تم آگے تو بہا آگئی چمن کی طرح
۸۵	قصیدہ طوبیٰ



صفحہ نمبر	عنوان
۸۵	جب اللہ ہے تو غم کا ہے کا
۸۶	سراپا مجسمہ دُعا
۸۶	دو شخصیتیں
۸۷	مولانا سید عبدالعزیز شاہ کا جلسہ
۸۸	میں تو اللہ کا نام لیتی ہوں
۸۸	ابتدائی تقریر اجتماع اور اماں جی کی دُعا
۸۹	طالب علمانہ شوخیاں
۹۰	اپنے ایک خاندانی بزرگ کی بھبتیاں
۹۰	اندازِ بیان
۹۱	دورانِ بیان اماں جی کی توجہ و دُعا
۹۱	نمازِ عید سے قبل تقریر کے لئے مساعی
۹۳	حکمت و تدبیر اور مشورہ کی برکت
۹۳	اب انتقام لینا ہے
۹۳	منصبِ مادریت
۹۵	ماں کی دُعا سے حیاتِ ملی
۹۶	اپنے سگے ماموں
۹۷	ماموں کے نام ایک درد انگیز خط
۹۸	طالب علمی کے سالِ اوّل کی یادگار تحریر
۱۰۰	تا بکے در غم تو نالہ شبگیرِ کرم
۱۰۵	سابقہ تحریر پر قارئین کے خطوط
۱۰۶	دینی مدارس کے طلباء کے خطوط
۱۰۶	اُردو تحریر کی بنیاد
۱۰۶	اماں جی مرحومہ و مغفورہ کا درسِ قرآن



۱۰۷	مترجم قرآن
۱۰۷	حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی
۱۰۸	کراچی سے وی پی آگئی
۱۰۹	بات پندرہ روپے کی
۱۱۰	گھر میں کتاب پڑھ کر سنانا
۱۱۰	بالاستیعاب مطالعہ
۱۱۰	یہ تھیلی تمہارے ہی لئے ہے
۱۱۱	اولاد کے ساتھ علماء کا بھی حصہ
۱۱۲	حسن بن زیاد کیلئے وظیفہ
۱۱۳	ماں کا سب سے مقدس رشتہ
۱۱۴	والدین کیلئے مغفرت کی دُعا کا اہتمام
۱۱۴	ماں باپ کو گالی دینا گناہ کبیرہ ہے
۱۱۵	مغرب میں خاندان کا تصور
۱۱۶	ماں کی مشقتیں
۱۱۷	والدہ کے ایک سانس کے حق کی ادائیگی بھی نہیں ہو سکتی
۱۱۸	اور دکان واپس کر دیا
۱۲۱	والد مرحوم کے قرض ادا کرادیئے
۱۲۲	علماء سے محبت
۱۲۳	علماء کے لئے قربانی اور ڈیوٹی
۱۲۳	حکیمانہ مشورہ
۱۲۴	تحصیل علم دین کی اجازت
۱۲۵	ایک دردناک کہانی
۱۲۷	لا علاج کینسر کا کامیاب معالجہ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## کچھ اپنی بات

الحمد للّٰحضرۃ الجلالۃ والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم الرسالۃ

شاید آغازِ حیاتِ بشر ہی سے جب سے رشتوں کے تقدس کا احساس قلبِ انسانی میں موجوں کی صورت میں ابھرنے لگا۔ ماں کا رشتہ سب سے زیادہ مقدس ٹھہرا۔ جو مٹھاس، وارنگی، ٹھنڈک اور اطمینان کی کیفیت اس رشتے سے وابستہ ہے کسی اور سے نہیں۔ ماں کا لفظ محبت و رحمت کا بدل ہے۔ ماں کا احترام انسانی معاشرے کی بقا کا دوسرا نام ہے، مغرب میں خاندان کے تصور میں جو توڑ پھوڑ ہوئی ہے اس سے ہر فرد تنہا ہو کر رہ گیا ہے۔ بے حیائی اور بدکاری نے لاکھوں کروڑوں انسانوں سے ماں باپ کی شفقت چھین لی ہے اس سے مغربی معاشرہ جس فساد اور کرب کا شکار ہوا ہے۔ اس کا احساس آہستہ آہستہ مغرب کے معاشرہ شناسوں میں تقویت پکڑ رہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کچھ عرصہ سے خاص طور پر ”مدرڈے“ کا اہتمام کیا جانے لگا ہے اس روز اولاد ماں باپ کے ساتھ دن گزارنے کی کوشش کرتی ہے۔ ان کی خدمت میں تحفے پیش کرتی ہے لیکن ماں کی محبتوں سے محرومی کا مداوا ایک دن کی نمائش سے نہیں ہو سکتا۔ ماں باپ کی صحبت میں کچھ وقت گزارنے اور ان کی شفقتوں کو سمیٹنے کی انسان کو ہر روز ضرورت ہوتی ہے۔



ایک شخص نے محمد عربی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! میری نیکی اور خدمت کا زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ نے فرمایا تیری ماں، اس نے پھر پوچھا اس کے بعد کون؟ آپ نے فرمایا تیری ماں۔ اس نے پھر پوچھا آپ نے فرمایا تیری ماں۔ جب چوتھی بار اس شخص نے یہی سوال دہرایا تو آپ نے فرمایا تیرا باپ۔ علامہ اقبال مرحوم ماں سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں

تربیت سے تیری میں انجم کے ہم قسمت ہوا  
گھر میرے اجداد کا سرمایہ، عزت ہوا  
دفتر ہستی میں تھی زرّیں ورق تیری حیات  
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات  
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی  
میں تیری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی  
تخم جس کا تو ہماری کشت جان میں بو گئی  
شرکتِ غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی

احقر کی والدہ ماجدہ یعنی اماں جی مرحومہ و مغفورہ 5 نومبر 1998ء کو اس دنیا سے رخصت ہوئیں تو ان کے سانحہ ارتحال پر ماہنامہ القاسم میں کچھ لکھنا شروع کیا اماں جی مرحومہ و مغفورہ کی محبتوں اور شفقتوں کے حوالے سے جو واقعات یاد آتے گئے وہ صفحہ قرطاس کی زینت بنتے گئے۔ اماں جی کب بھلائی جاسکتی ہیں ان کی شفقتیں ستاتی ہیں جب سے ان کا سایہ رحمت رخصت ہوا تب سے سنبھل سنبھل کر قدم رکھنے کے باوجود قدم قدم پر مشکلات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے تب پتہ چلتا ہے کہ اماں جی کی مستجاب دعاؤں والا سہارا رخصت ہو چکا۔ بہ ہم گناہ گار اب اماں جی کو کب واپس



لا سکتے ہیں۔ آج عملاً اماں جی کی دعا اور زیارت سے محروم ہو چکے ہیں مگر تخیل کی دنیا میں اب بھی ساتھ رہتی ہیں۔

وہ میرے ساتھ روتی ہے وہ میرے ساتھ ہنستی ہے  
تخیل کے جہاں میں اب بھی میرے ساتھ بستی ہے  
زمانے بھر میں کوثر مل نہیں سکتا بدل جس کا  
فقط اک ماں کی ہستی ہے فقط اک ماں کی ہستی ہے  
مولانا جمیل احمد بالا کوٹی نے اپنی وقیع تصنیف ”ماں کی عظمت“ کے صفحہ نمبر ۱۰۰ پر لکھا  
شاید کا قول نقل کیا ہے۔

”اگر مجھے پوری دنیا کا شہنشاہ مقرر کر دیا جائے میری  
رہائش کیلئے وائٹ ہاؤس سے بہترین عالی شان محلات  
بنائے جائیں دنیا کی بہترین گاڑیاں ہیلی کاپٹر میری  
دسترس میں ہوں۔ میرے دسترخوان پر انواع و اقسام  
کے دنیا کے بہترین کھانے سجے ہوں پہننے کے لئے دنیا  
کے بہترین کپڑے مہیا ہوں میری خدمت کیلئے  
سینکڑوں خدمت گار مامور کر دیے جائیں لیکن مجھے  
صرف اور صرف ماں کی قربت سے محروم ہونا پڑے تب  
میں اتنی بڑی بڑی نعمتیں ٹھکرا کر ماں کی مقدس آغوش  
میں پناہ لینا پسند کروں گا“

یہ قول پڑھ کر جہاں والدہ کی خدمت کی سعادت سے محرومی کا احساس ہوا۔  
وہاں یہ ارادہ بھی عزمِ صمیم بن کر ابھرا کہ اماں جی مرحومہ و مغفورہ کے متعلق لکھی ہوئی



تحریروں کو کتابی صورت میں قارئین کے سامنے پیش کر دوں۔ جب ماہنامہ القاسم کے لئے یہ تحریریں لکھ رہا تھا اس وقت میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات شامل نہ تھی کہ یہ کوئی مستقل تصنیف یا مرتب تاریخ یا طویل مقالہ اور کتابی صورت میں شائع ہوگی لیکن ہوتا وہی ہے جو رب ذوالجلال چاہتا ہے۔

جب اماں جی مرحومہ و مغفورہ کے عنوان سے معنون قسطیں القاسم میں شائع ہوئیں تو ملک بھر سے مخلصین و محبین اور القاسم کے قارئین کے خطوط موصول ہوئے کہ اس سلسلہ کو کتابی شکل دے دی جائے تو زیادہ نافع ہوگی۔ اس وقت میں نے بعض کرم فرماؤں سے وعدہ بھی کر لیا لیکن شب و روز کی مصروفیات، درس و تدریس، اضياف کی خدمت، مسلسل اسفار، تصنیف و تالیف کا ہمہ وقتی کام اور مدرسے کی انتظامی ذمہ داریاں اس کام میں تاخیر کا باعث بن رہے تھے۔ احقر نے اپنے لئے ایک معاون کی ضرورت محسوس کی۔ سومیری نگاہ میرے عزیز مولانا عماد الدین محمود کی طرف گئی موصوف پہلے بھی تصنیف و تالیف کے کاموں میں میرا ہاتھ بٹاتے رہتے ہیں۔ فون پر رابطہ ہوا ایک دن بعد مولانا موصوف میرے یہاں تشریف لائے۔ مضامین کی ترتیب و تدوین کا کام بڑی برق رفتاری سے شروع کر دیا گیا اور ایک ہی دن میں سارا کام نمٹا لیا اور اب کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

پیش نظر کتاب صرف اماں جی مرحومہ و مغفورہ کا تذکرہ و سوانح ہی نہیں ضمناً ایک یتیم طالب علم کی داستانِ حیات بھی ہے۔ احقر نے زندگی میں بہت سے نشیب و فراز دیکھے۔ میرا بچپن لڑکپن اور شباب کا ابتدائی دور اپنے آبائی گاؤں چودھوان میں گزرا۔ جس ماحول میں آنکھ کھولی وہاں غربت و افلاس کا بسیرا تھا۔ قدیم جاہلیت، عصبیت اور ضد و عناد نے قریب کے بہت عزیز رشتے بھی پامال کر دیے تھے۔ بچپن ہی



میں والد مرحوم کا سایہ اٹھ گیا، خاندانی بزرگوں نے آنکھیں پھیر لیں کیونکہ ہمارا معاشرہ دولت کا معاشرہ ہے۔ یہاں غربت ناقابلِ معافی جرم ہے۔

زندگی اس کی ہے جو صاحبِ دولت ہے مجید

جرم اس عہد میں ہے مفلس و بے زر ہونا

احقر اپنے بارے میں کچھ زیادہ ہی حساس ہے۔ اگرچہ احقر کو اپنے ماضی، بیتے ہوئے دن، کچھڑے ہوئے احباب، اساتذہ اور گزرے ہوئے حالات و واقعات سے از حد دلچسپی ہے۔ مگر یہ خوش فہمی مجھے ہرگز نہیں کہ میری آپ بیتیاں، یا سرگذشتیں چھپنے کی چیزیں ہیں تاہم اماں جی مرحومہ و مغفورہ کے تذکرہ کے ضمن میں لازماً اپنے ایسے مشاہدات، سرگذشتیں اور حالات جن کا بیان ناگزیر تھا نقل ہوتے رہے۔ قارئین پڑھیں گے تو میری اصلاح فرماویں گے۔

اماں جی مرحومہ و مغفورہ کو مجھ گناہ گار سے بے حد محبت تھی۔ جب مجھے دیکھتیں تو ان کا دل باغ باغ ہو جاتا۔ میری تعلیم و تربیت کا سہرا اماں جی مرحومہ و مغفورہ کے سر ہے۔ مجھے بڑا بننے کا شوق ہے نہ میں کبھی اس خود فریبی کا شکار رہا ہوں بلکہ ہمیشہ من آنم کہ من دانم کا خیال متحضر رہا ہے جو کچھ لکھا ہے یہی مناسب سمجھا کہ اس کو قارئین کے سامنے پیش کر دوں کہ یہ بھی ان شاء اللہ اماں جی مرحومہ و مغفورہ کے لئے ایصالِ ثواب اور مغفرت کا وسیلہ بنے گا۔

اب تک جتنا اور جو کچھ لکھا گیا تھا فی الحال اپنے قارئین کے اصرار پر وہی پیش خدمت ہے کثرتِ کار اور ہجومِ افکار نے عدیم الفرصت بنا دیا ہے تاہم یہ فرض میرے ذمہ ہے یادداشتیں (ہینٹس) کی صورت میں محفوظ کرتا رہتا ہوں جب بھی اللہ پاک نے توفیق ارزانی فرمائی۔ ان شاء اللہ اسے بھی مرتب و مکمل کر کے شائع کر دیا



جائے گا۔

دینی مدارس کے طلبہ و طالبات، اساتذہ و معلمات، عام لکھے پڑھے احباب  
 و مخلصین کو نفع ہوگا اور اماں جی مرحومہ و مغفورہ کے لئے صدقہء جاریہ بنے گا۔  
 اگر اللہ رب العزت کا کرم شامل حال رہا تو ان شاء اللہ باقی ماندہ داستان اور  
 عبرت انگیز واقعات کو بھی کتابی شکل میں قارئین کے سامنے لایا جائے گا۔ رب  
 ذوالجلال سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اماں جی کی خطاؤں سے درگزر کرے ان کی مغفرت  
 فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

عبدالقیوم حقانی

خادم جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ

سرحد پاکستان

۱۲ رجب ۱۴۲۵ھ / ۱۲۹ اگست ۲۰۰۴ء



## ماں باپ کا مقام، حیثیت و عظمتِ شان

قرآن و حدیث کی روشنی میں

### قرآنی ہدایات

○ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا۔ (بنی اسرائیل: ۲۳)

اور تمہارے رب کا قطعی حکم ہے کہ صرف اسی کی عبادت اور پرستش کرو اور ماں

باپ کے ساتھ اچھے سے اچھا برتاؤ اور ان کی خدمت کرو۔

○ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْتَنِي صَغِيرًا۔ (بنی اسرائیل: ۲۳)

پروردگار میرے ماں باپ پر رحمت فرما جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں

(شفقت کے ساتھ) پالا تھا۔

○ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا

تَطْعُهُمَا وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا۔ (سورہ لقمان: ۱۵)

اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے،

جس کا تجھے علم نہ ہو تو تو ان کا کہنا نہ ماننا، ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح گذر بسر کرنا۔



## نبوی تعلیمات

والدین اولاد کی جنت اور جہنم :

○ عَنْ أَبِي أَمَامَةَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا حَقُّ الْوَالِدَيْنِ عَلَيَّ وَعَلَى وَلَدِي هُمَا قَالَ هُمَا جَنَّتُكَ وَنَارُكَ . (راوہ ابن ماجہ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ: حضرت ﷺ! اولاد پر ماں باپ کا کتنا حق ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: وہ تمہارے جنت و دوزخ ہیں۔

اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے :

○ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِضَى الرَّبِّ فِي رِضَى الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ . (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ کی رضا مندی والد کی رضا مندی میں ہے اور اللہ کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے۔

والدہ کے اولاد پر حقوق :

○ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ مِنْ أَحَقِّ بِحُسْنِ صَحَابَتِي قَالَ أُمُّكَ ثُمَّ أُمُّكَ ثُمَّ أَبَاكَ ثُمَّ أَدْنَاكَ فَأَدْنَاكَ . (رواہ البخاری)



حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ مجھ پر خدمت اور حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: تمہاری ماں میں پھر کہتا ہوں تمہاری ماں کا، اس کے بعد تمہارے باپ کا حق ہے، اس کے بعد جو تمہارے قریب کے رشتہ دار ہوں، پھر جو ان کے بعد قریب کے رشتہ دار ہوں۔

جس نے والدین کی خدمت نہیں کیا وہ ذلیل ہو گیا :

○ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَغِمَ أَنْفُهُ قِيلَ مَنْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ مَنْ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ أَوْ أَحَدَهُمَا ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ - (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ وہ آدمی ذلیل ہووے خوار ہووے رسوا ہو عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ کون؟ (یعنی کس کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے) آپ نے فرمایا: وہ بدنصیب جو ماں باپ کو یادوں میں سے کسی ایک ہی کو بڑھاپے کی حالت میں پائے پھر (ان کی خدمت اور ان کا دل خوش کر کے) جنت حاصل نہ کرے۔

مولانا ظفر علی خان نے اشعار میں یوں ترجمہ کیا ہے .....

اک دن نبیؐ نے حلقہٴ احباب میں یہ لفظ

دہرائے تین بار کہ ”ناک اس کی کٹ گئی“

اصحابؓ نے کہا کہ وہ بد بخت کون ہے؟

توقیر جس کی حضرت باری میں گھٹ گئی



ارشاد . یوں ہوا کہ وہ فرزندِ ناخلف  
گھر جس کے جنت آئی اور آکر پلٹ گئی  
ماں باپ کا جسے نہ بڑھاپے میں ہو خیال  
اُس ناسعید بیٹے کی قسمت اُلٹ گئی

والدین کی خدمت بھی جہاد ہے :

○ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ  
سَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَجَاهِدُ، قَالَ أَلَاكَ أَبَوَانِ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِيهِمَا  
فَجَاهِدْ - (رواه ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص  
رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں، آپ  
نے پوچھا کیا تمہارے ماں باپ ہیں؟ اس نے کہا ہاں ہیں، آپ نے فرمایا: تو پھر ان کی  
خدمت اور راحت رسائی میں جدوجہد کرو (یہی تمہارا جہاد ہے)۔

جہاد کے لئے والدین کی اجازت :

○ عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَجُلًا هَاجَرَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ مِنَ الْيَمَنِ فَقَالَ هَلْ لَكَ أَحَدٌ بِالْيَمَنِ؟ فَقَالَ أَبَوَايَ فَقَالَ إِذْنَا لَكَ؟ قَالَ  
لَا، قَالَ ارْجِعْ إِلَيْهِمَا فَاسْتَأْذِنُهُمَا فَإِنْ إِذْنَا لَكَ فَجَاهِدْ وَإِلَّا فَبِرَّهُمَا -

(رواه ابوداؤد و احمد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص یمن سے ہجرت  
کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے اس سے پوچھا: کیا یمن میں



تمہارا کوئی ہے؟ اس نے عرض کیا ہاں میرے والدین ہیں آپ نے دریافت فرمایا: کیا انہوں نے تم کو اجازت دی ہے؟ (اور تم ان کی اجازت سے یہاں آئے ہو؟) اس نے عرض کیا ایسا تو نہیں ہے آپ نے فرمایا: تو پھر ماں باپ کے پاس واپس جاؤ، اور یہاں آنے کی (اور جہاد اور دین کی محنت میں لگنے کی) ان سے اجازت مانگو پھر وہ اگر تمہیں اجازت دے دیں تو آؤ اور جہاد میں لگ جاؤ اور اگر وہ اجازت نہ دیں تو ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہو۔

### ماں کے قدموں میں جنت :

○ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ جَاهِمَةَ أَنَّ جَاهِمَةَ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَدْتُ أَنْ أَعْزُوَ وَقَدْ جِئْتُ أَسْتَشِيرُكَ فَقَالَ هَلْ لَكَ مِنْ أُمَّ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَالْزِمِهَا فَإِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلِهَا. (راوہ احمد و النسائی)

معاویہ بن جاہمہ سے روایت ہے کہ میرے والد جاہمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ”میرا ارادہ جہاد میں جانے کا ہے اور میں اس بارے میں مشورہ لینے کے لئے حاضر ہوا ہوں“۔ آپ نے ان سے پوچھا، کیا تمہاری ماں ہے؟ انہوں نے عرض کیا ”ہاں ہے“۔ آپ نے فرمایا: تو پھر انہی کے پاس اور انہی کی خدمت میں رہو، ان کے قدموں میں تمہاری جنت ہے۔

### والدین کے فرمانبرداروں کا بیان :

○ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِمْتُ فَرَأَيْتُنِي فِي الْجَنَّةِ فَسَمِعْتُ فِيهَا قِرَاءَةَ فَقُلْتُ مَنْ هَذَا؟ قَالُوا حَارِثَةُ بِنْتُ النُّعْمَانِ كَذَابِكُمْ الْبِرُّ وَكَذَابِكُمْ الْبِرُّ وَكَانَ أَبْرَ النَّاسِ بِأُمَّه.

(رواہ البغوی فی شرح السنة والبیہقی فی شعب الایمان)



حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سویا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں ہوں، وہیں میں نے کسی کے قرآن پڑھنے کی آواز سنی، تو میں نے دریافت کیا کہ ”اللہ کا یہ کون بندہ ہے جو یہاں جنت میں قرآن پڑھ رہا ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ ”یہ حارثہ بن النعمان ہیں“..... ماں باپ کی خدمت و اطاعت شعاری ایسی ہی چیز ہے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ خواب بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ) حارثہ بن النعمان اپنی ماں کے بہت ہی خدمت گزار اور اطاعت شعارتھے (یعنی اسی عمل نے ان کو اس مقام تک پہنچایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں ان کی قرأت سنی)۔

ماں نہ ہو تو خالہ کے ساتھ حسن سلوک :

○ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا آتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَصَبْتُ ذَنْبًا عَظِيمًا فَهَلْ لِي مِنْ تَوْبَةٍ؟ قَالَ هَلْ لَكَ مِنْ أُمِّ؟ قَالَ لَا قَالَ وَهَلْ لَكَ مِنْ خَالَةٍ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَبِرَّهَا۔ (رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت! میں نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے، تو کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے (اور مجھے معافی مل سکتی ہے) آپ نے پوچھا: تمہاری ماں زندہ ہے؟ اس نے عرض کیا ماں تو نہیں ہے، آپ نے فرمایا، تو کیا تمہاری کوئی خالہ ہے؟ اس نے عرض کیا ہاں خالہ موجود ہے آپ نے فرمایا: تو اس کی خدمت اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو (اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے تمہاری توبہ قبول فرمائے گا اور تمہیں معاف فرمادے گا)



والدہ مشرکہ بھی ہوتی ہے بھی صلہ رحمی ضروری ہے :

○ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ قَدِمْتُ عَلَى أُمِّي وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فِي عَهْدِ قُرَيْشٍ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أُمِّي قَدِمَتْ عَلَيَّ وَهِيَ رَاغِبَةٌ أَفَأَصِلُهَا؟ قَالَ نَعَمْ صِلِهَا - (رواه البخاری و مسلم)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور قریش مکہ کے (حدیبیہ والے) معاہدے کے زمانے میں میری ماں جو اپنے مشرکانہ مذہب پر قائم تھی (سفر کر کے مدینہ میں) میرے پاس آئی تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری ماں میرے پاس آئی ہے اور وہ کچھ خواہشمند ہے تو کیا میں اس کی خدمت کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں اس کی خدمت کرو (اور اس کے ساتھ وہ سلوک کرو جو بیٹی کو ماں کے ساتھ کرنا چاہئے)۔

انتقال کے بعد والدین کے حقوق :

○ عَنْ أَبِي أُسَيْدِ السَّاعِدِيِّ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِي سَلَمَةَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلْ بَقِيَ مِنْ بَرِّ أَبِي شَيْءٍ أَبْرُهُمَا مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِمَا؟ قَالَ نَعَمْ الصَّلَاةُ عَلَيْهِمَا وَالِاسْتِغْفَارُ لَهُمَا وَإِنْفَاذُ عَهْدِهِمَا وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِي لَا تُوَصَّلُ إِلَّا بِهِمَا وَإِكْرَامُ صَدِيقِهِمَا - (رواه ابوداؤد و ابن ماجہ)

ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک وقت جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے بنی سلمہ میں سے ایک شخص آئے اور انہوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ: کیا میرے ماں باپ کے مجھ پر کچھ ایسے بھی حق ہیں جو ان کے



مرنے کے بعد مجھے ادا کرنا چاہئیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں ان کے لیے خیر و رحمت کی دعا کرتے رہنا، ان کے واسطے اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور بخشش مانگنا، ان کا اگر کوئی عہد معاہدہ کسی سے ہوا ہو تو اس کو پورا کرنا، ان کے تعلق سے جو رشتے ہوں ان کا لحاظ رکھنا اور ان کا حق ادا کرنا، اور ان کے دوستوں کا اکرام و احترام کرنا۔

والدین کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک :

○ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ

أَحَبَّ أَنْ يَصِلَ أَبَاهُ فِي قَبْرِهِ فَلْيَصِلْ إِخْوَانَ أَبِيهِ بَعْدَهُ - (رواه ابن حبان)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی یہ چاہے کہ قبر میں اپنے باپ کو آرام پہنچائے اور خدمت کرے تو باپ کے انتقال کے بعد اس کے بھائیوں کے ساتھ وہ اچھا برتاؤ رکھے جو رکھنا چاہئے۔

○ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ

أَبْرَارِ صِلَةَ الرَّجُلِ أَهْلَ وَدِّ أَبِيهِ بَعْدَ أَنْ يُؤَلَّى. (رواه مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ باپ کی خدمت اور حسن سلوک کی ایک اعلیٰ قسم یہ ہے کہ ان کے انتقال کے بعد ان کے دوستوں کے ساتھ (اکرام و احترام) کا تعلق رکھا جائے اور باپ کی دوستی و محبت کا حق ادا کیا جائے۔

زندگی میں والدین کی نافرمانی، اولاد بعد المرگ کیا کرے :

○ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَبْدَ

لَيَمُوتُ وَالِدَاهُ أَوْ أَحَدَهُمَا وَإِنَّهُ لَهُمَا لِعَاقٍ فَلَا يَزَالُ يَدْعُو لَهُمَا وَ

84333



يَسْتَغْفِرُ لَهُمَا حَتَّى يَكْتُبَهُ اللَّهُ بَارًا - (رواه البيهقي في شعب الايمان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی آدمی کے ماں باپ کا یا دونوں میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا ہے اور اولاد زندگی میں ان کی نافرمان اور ان کی رضامندی سے محروم ہوتی ہے، لیکن یہ اولاد ان کے انتقال کے بعد (سچے دل) سے ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے خیر و رحمت کی دعا اور مغفرت و بخشش کی استدعا کرتی رہتی ہے (اور اس طرح اپنے قصور کی تلافی کرنا چاہتی ہے) تو اللہ تعالیٰ اس نافرمان اولاد کو فرمانبردار قرار دے دیتا ہے (پھر وہ ماں باپ کی نافرمانی کے وبال اور عذاب سے بچ جاتی ہے)

والدین کی خدمت، عمر میں برکت :

○ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ

يَزِيدُ فِي عُمرِ الرَّجُلِ بِرِّهِ وَالِدَيْهِ. (رواه ابن منبج و ابن عدی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ

ماں باپ کی خدمت و فرمانبرداری اور حسن سلوک کی وجہ سے آدمی کی عمر بڑھا دیتا ہے۔

والدین سے حسن سلوک، اولاد کے حسن سلوک کا باعث بنے گی :

○ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَرُّوْا آبَاءَ

كُم يَبِرُّ أَبْنَاءَ كُمْ وَعَفْوَاتِعْفُ نِسَاءِ كُمْ. (رواه الطبرانی فی الاوسط)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اپنے آباء (ماں باپ) کی خدمت و فرمانبرداری کرو، تمہاری اولاد تمہاری فرمانبرداری اور

خدمت گزار ہوگی، اور تم پاکدامنی کے ساتھ رہو، تمہاری عورتیں پاکدامن رہیں گی۔



## والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہ :

○ عَنْ أَنَسٍ قَالَ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْكَبَائِرِ فَقَالَ  
 الْإِشْرَاكُ بِاللَّهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ. (رواه البخاری)  
 حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کبیرہ (یعنی  
 بڑے بڑے) گناہوں کے بارے میں دریافت کیا گیا (کہ وہ کون کون سے گناہ ہیں) تو  
 آپ نے فرمایا: خدا کے ساتھ شریک ٹھہرانا، ماں باپ کی نافرمانی و ایذا رسانی کسی بندے کو  
 ناحق قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا۔

## ماں باپ کو گالیاں نہ دو :

○ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ  
 وَالِدَيْهِ؟ قَالَ نَعَمْ يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أُمَّهُ وَيَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ.

(رواه بخاری و مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا  
 کہ: اپنے ماں باپ کو گالی دینا بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ  
 ﷺ! کیا کوئی اپنے ماں باپ کو بھی گالی دے سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں اس کی صورت یہ ہے کہ  
 کوئی آدمی کسی کے ماں باپ کو گالی دے پھر وہ جواب میں اس کے ماں باپ کو گالی دے (تو  
 گویا اس نے خود ہی اپنے ماں باپ کو گالی دلوائی)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## اماں جی مرحومہ و مغفورہ

بالآخر ..... رحمتوں کا سایہ، دعاؤں کا مرکز، روحانی اعتماد کی ڈھارس اور غموم کے ہجوم میں تسلی اور تسکین کا باعث بننے والی والدہ ماجدہ اماں جی مرحومہ و مغفورہ بھی اس دارِ فانی سے رحلت فرما کر ہم گنہگاروں کو بے سہارا چھوڑ گئیں۔ زندگی ویران ہو گئی۔ کیا غم برپا ہوا اور کیسی کیسی رحمتوں کا سایہ اٹھ گیا اور کیسا درد و الم دے گیا کہ اس کی تلافی ہی ناممکن ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

### تہجد کیلئے قیام :

مرحومہ تین نومبر 1998ء کی صبح کو نمازِ تہجد کے لئے اٹھیں، وضو بنایا اور اپنے کمرے میں آ کر مصلے پر نماز کے لئے کھڑی ہوئیں کہ سر چکرایا اور گر پڑیں تو پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ دو روز تک علاج کرایا۔ شدید درد، شدید علالت کے باوصف صبر و ثبات کا مظہر رہیں۔ زبان پر خدا کا ذکر رہا، ہمیں اور اپنی تمام اولاد کو صبر و تحمل کی تلقین کرتی رہیں۔ 5 نومبر کو میں نے حضرت مولانا عبداللہ شہید کی مرکزی جامع مسجد اسلام آباد میں نماز مغرب کے بعد ان کی شہادت کے بعد تعزیتی اجلاس میں شرکت کرنی تھی، دیر ہو گئی۔ والدہ



سے اجازت لی تو بخوشی اجازت دیدی، فرمایا بیٹے! اسلام آباد چلے جاؤ، پنجاب نہ جانا۔ فرمایا خدا کا میاں بی عطا فرماوے اور بحفاظت واپس لوٹائے۔ وہاں مجھ سے قبل جنرل (ر) حمید گل کا بیان کرنا تھا، جو ان سے خاصا طویل ہو گیا۔ اس لئے میرے بیان میں تاخیر ہوتی گئی، ادھر ساڑھے دس بجے اماں جی مرحومہ و مغفورہ کی تکلیف بڑھ گئی۔

### نزع کے وقت آیت کریمہ کا ورد :

اہلیہ نے ان سے کلمہ پڑھنے کو کہا (جو اگر چہ اسے نہیں کہنا چاہیے تھا) مرحومہ نے با آواز بلند کلمہ توحید پڑھا اور پھر لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ پڑھتے پڑھتے روحِ قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ یہ جمعہ کی رات تھی۔ استاذی الکریم حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچوی نے اپنے تعزیتی مکتوب میں تحریر فرمایا :

”جمعہ کی رات کا انتقال اور جمعہ کے روز کی تدفین شہادت ہے۔“

وفات سے کوئی آٹھ دس منٹ قبل میری بڑی ہمشیرہ نے چارپائی پر ساتھ بیٹھ کر یسین شریف پڑھی۔ اماں جی مرحومہ و مغفورہ سنتی رہیں اور اتنی توجہ سے سنتی رہیں کہ شدتِ درد اور نزع کی تکلیف کے باوصف ان کی تلاوت میں بھی چارجگہ اصلاح فرمائی۔

رات کے ساڑھے دس بجے انتقال ہوا۔ اسی وقت غسل دے دیا گیا۔ مدرستہ البنات کی قاریات و حافظات ساری رات ساتھ رہ کر تلاوت میں مشغول رہیں۔ نمازِ جمعہ کے بعد 3 بجے جامعہ ابو ہریرہ کے وسیع گراؤنڈ میں جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم استاذی و استاذ العلماء حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ نمازِ جنازہ میں جامعہ حقانیہ کے شیوخ اور اساتذہ کے علاوہ صوبہ بھر کے علماء، فضلاء، افغان زعماء، طالبان رہنما احباب اور عامۃ المسلمین نے شرکت کی۔ اسی وقت جامعہ کے لئے اپنا قبرستان بنانے



کافیصلہ بھی ہوا۔ رات کے دو بجے زمین بھی مل گئی۔ جامعہ ہی کے قبرستان میں تدفین ہوئی۔

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلَهَا وَارْحَمْ عَلَيْهَا وَلَا تُعَذِّبْهَا بِحَقِّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔

جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مغفور اللہ صاحب مدظلہ صبح سویرے تشریف لائے۔ قبر کے لئے جگہ بھی مقرر فرمائی اور کدال لے کر اپنے مبارک ہاتھوں سے کھدائی کا آغاز فرمایا۔ شیخ النفسیر مولانا عبدالحلیم دیروی مدظلہ نے جنازہ کے اجتماع سے خطاب فرمایا، حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ نے آخری دعا فرمائی۔ واجرہم علی اللہ۔

### امتحانات کا پہلا صراط :

والدہ ویسے بھی ایک عظیم نعمت ہے اور جو والدہ ایسی ہو، جس کی فطرت اور خمیر میں دین رچا بسا ہو، جس کی حرکت و سکون، جس کا اوڑھنا بچھونا، جس کی فکر و تخیل کا ہر زاویہ، جس کے دل کی ہر دھڑکن اور زندگی کا انگ انگ ایسے گزرے کہ اس پر اللہ کے قرآن اور نبی ﷺ کے فرمان کی مہر لگی ہوئی ہو، جس کی ساری زندگی قرآن کے درس و تدریس میں گزری ہو، جس نے فقر و غربت اور افلاس و ناداری کے دن بھی دیکھے ہوں، اہل قرابت کی سرد مہریاں اور لا چاری کے مرحلوں سے بھی گزری ہو، پرانے قبائلی طرز کے خانگی قتل مقاتلوں، غصہ و انتقام کی آگ کا نشانہ بھی بنی ہو، تین یتیم بچیوں اور ایک یتیم بیٹے کی تعلیم و تربیت، حفاظت اور بظاہر اسباب حیات کا بوجھ بھی اس کے کندھوں پر ہو، قرب و جوار کے اور بعض حالات میں آس پاس کے پڑوس میں کوئی پوچھنے والا تک نہ ہو۔ امراض و عوارض اس کے علاوہ ہوں، نہ کوئی بھائی ہو جو نمگسار بن سکے، نہ کوئی سرپرست اور رشتہ دار ہو، جس کے میٹھے بول سے زخموں کی مرہم پٹی ہو سکے، جاہل معاشرہ اور مادہ پرست غلیظ ماحول ہر وقت نوح کھانے کے لئے تیار ہو۔



## یتیم بیٹے کی تعلیم کا اہتمام :

ایسے ناسازگار ماحول اور ناموافق حالات میں زندہ بچ کے رہنا بھی ایک کرامت ہے، مگر اماں جی مرحومہ و مغفورہ نہ صرف یہ کہ زندہ رہیں بلکہ بہادری کی طرح اپنے حقوق کی جنگ بھی لڑتی رہیں۔ اپنی بچیوں کی تعلیم و تربیت، پردہ و عفت اور ان کے نکاح و ازدواج کی ذمہ داریاں بھی ایسے احسن طریقے سے انجام دیں کہ بڑے بڑوں کو ان کے فیصلہ و عمل پر رشک آتا ہے اور اپنے یتیم اکلوتے بیٹے کی تعلیم و تربیت کے لئے جن مراحل سے گذریں، جن حالات سے واسطہ پڑا، فقر و غربت اور افلاس و ناداری کے باوجود جس ہمت، جرأت، استقامت اور بہادری کے ساتھ خدا کی ذات پر توکل کر کے اپنے بیٹے (ان حالات میں والدہ کی اور بہنوں کی معاشی ضروریات کیلئے تجارت، دکانداری، میٹرک کرنے کے بعد نوکری، زمینداری یا کوئی بھی کام کر کے گھریلو ذمہ داریوں کو نبھانا بظاہر ان کا اولین فرض تھا) کو میٹرک پاس کرانے کے بعد دینی تعلیم کے حوالے کر دیا اور خود آٹھ 8 سال تک فقر و فاقہ، صبر و استقامت اور توکل علی اللہ کے مرحلوں سے گزر کر اپنے بیٹے کو علوم نبوت سے آراستہ دیکھنے کی تمناؤں میں شدت سے بے چین رہتی تھیں۔

مجھ ناکارہ کے زمانہ تعلیم میں ایسے مرحلے بھی آئے کہ بعض اوقات ہم نے اپنے گھر میں ایک ایک مہینے تک گندم کی روٹی نہیں دیکھی۔ والدہ جوار کے ڈھوڑے پکا پکا کر اور محبت کی لوریاں دے دے کر اور چنے بھون بھون کر صبر و تحمل کا درس دیتیں، اکابر اور سلف صالحین کے واقعات سناتیں۔ حضرت یوسفؑ کا واقعہ تو بڑے مزے لے لے کر سناتیں۔ اس طرح مشغول رکھ کر ہمارا گذر اوقات ہو جایا کرتا تھا۔



## محنت مزدوری اور مشقت :

اماں جی مرحومہ و مغفورہ کھجور کے پتوں سے چٹائیاں بن کر اور لوگوں کے کپڑے سی سی کر شب و روز محنت و مزدوری کر کے راتیں جاگ جاگ کر جو کچھ ہفتہ بھر میں کماتیں اس میں سے اپنے گھر کا اور بچیوں کا بقدر کفاف گزارا وقت لے کر باقی پونجی مجھ نااہل کے حوالے کر دیتی تھیں اور میں نجم المدارس کلاچی میں اپنی حماقتوں اور کم عمری اور نادانی کی وجہ سے عبثیات اور فضولیات میں صرف کر ڈالتا تھا۔ اللہ مجھے معاف کرے۔ دوسرے ہفتے جب گھر جاتا تو والدہ نے ہفتہ بھر میں بچا بچا کر جو کچھ کمایا ہوتا میرے حوالے کر دیتی تھیں۔

مجھے یاد ہے کہ میرے زمانہ طالب علمی میں والد صاحب کی وفات کے بعد ہم نے گھر میں چینی تو کجا اچھا گڑ بھی نہیں دیکھا تھا۔ رسکٹ گڑ جو انتہائی فرسودہ اور بچا کچرہ ہوا کرتا تھا، جو ہمارے ہاں بھینس وغیرہ کو بعض بیماریوں کے معالجہ میں کھلایا جاتا تھا، ہم گھر میں اس کی چائے پیتے تھے اور یہ بات سالوں سال چلتی رہی۔ یہ سب کچھ میری والدہ اور یتیم بہنیں برداشت کرتی رہیں، مگر مجھے تعلیم کے لئے اخراجات کھلے دل، کھلے ہاتھ اور خندہ جبینی سے دیئے اور کبھی بھی ان کے چہرے پر شکن تک نہیں آئی۔

## ذوق تلاوت اور درس و تدریس :

اماں جی مرحومہ و مغفورہ کا معمول تھا کہ قرآن مجید کی تلاوت میں دن رات مشغول رہتیں تھیں۔ گھر کے کام کاج، محنت مزدوری، چٹائیاں بننے اور کپڑے سینے سے جو چند لمحات باقی رہ جاتے تھے، وہ قرآن کی تلاوت میں گذر جاتے تھے۔ ان تمام امور کا پشتارہ اٹھاتے ہوئے بھی اہل محلہ اور دروازے سے آنے والے بچیوں اور بچوں کو قرآن کے



حفظ و ناظرہ کا درس بھی دیا کرتی تھیں۔ آج بھی کئی حافظ قرآن اپنی اپنی درسگاہوں میں مصروف درس و تدریس ہیں جو اماں جی مرحومہ و مغفورہ سے قرآن پڑھے ہوئے ہیں اور ان کے لئے صدقہ جاریہ ہے۔

سورہ یسین سے خصوصی شغف تھا، جب کوئی مشکل پیش آتی، قرآن اٹھا کر بیٹھ جاتیں، پڑھتی رہتیں اور سب امور چھوڑ کر قرآن سے لپٹ جاتیں۔ کبھی اونچی آواز سے، کبھی پست آواز سے، کبھی ترنم سے، کبھی رورور کر قرآن کی تلاوت میں ڈوب جاتیں، حتیٰ کہ قرآن پڑھ پڑھ کر اپنے خدا سے اپنا من چاہا منوا کے چھوڑتیں۔

## کسمپرسی کی حالت :

ایک مرتبہ بارشوں نے طوالت پکڑی۔ گلی کوچے بہنے لگے، کچے گھر اور کمزور چھتیں، ہمارا کون تھا، جو ہمیں پوچھتا، میں خود کلاچی نجم المدارس میں زیر تعلیم تھا اور مسافر تھا، آس پاس پڑوس میں کوئی اتنا فرد بھی نہیں تھا، جو اس غریب و نادار اور مفلس یتیم کے گھرانے کا پوچھ لیتا کہ کیسے گذر رہی ہے۔

ہمارے دیہاتی ماحول میں اونٹوں، گدھوں پر سوختنی لکڑیوں کے بار بازار میں آتے اور فروخت ہو جاتے۔ یہ لکڑیاں بطور ایندھن استعمال ہوتی تھیں۔ دو ہفتوں سے مسلسل بارش کی وجہ سے لکڑیاں بھی بازار میں آنا بند ہو گئیں اور اگر کوئی بار آتا بھی تھا، تو وہ آتے ہی فروخت ہو جاتا تھا۔ میں بغرض حصول تعلیم سفر میں تھا، گھر میں اتنا فرد بھی نہیں تھا، جو بارشوں اور سردی کے ایام میں لکڑیاں خرید کر ہمارے گھر بھیجوادیتا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک صبح گھر میں ایندھن کا کوئی انتظام نہیں تھا کہ بچوں کے لئے چائے بنائی جاسکے۔ میری یتیم بہنیں یہ حالت دیکھ کر بے قابو ہو گئیں اور رونے لگیں۔



## سورۃ یسین کی برکتیں :

اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے فرمایا یا لختِ جگر! یہ سارا کام اللہ کا ہے، کسی مخلوق کی منت سماجت کرنے کے بجائے اپنے خالق سے کیوں نہ مانگا جائے۔ سب کو بٹھا کر یسین پڑھوانا شروع کر دیا۔ پڑوس میں ایک خاندان کو یہ سو جھی کہ وہ کیوں نہ بے آسرا اور یتیم خاندان کو مزید ستا کر اپنے غصہ و انتقام کی آگ بجھانے اور مرغِ بسمل کی طرح تڑپنے والے یتیموں کو مزید تڑپا کر اپنے انتقامی جذبات کو ٹھنڈک پہنچائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے گھر میں موجود کانٹوں بھری لکڑیوں کو ہمارے گھر پھینکنا شروع کر دیا اور مسلسل پھینکتے رہے اور دل کی بھڑاس نکالتے رہے۔ میری بہنیں یہ دیکھ کر رونے لگیں۔

اماں جی نے فرمایا: بیٹیو! ہرگز نہ رونا، یسین شریف کے برکات ظاہر ہو رہے ہیں۔ ایک مرتبہ پھر پڑھ لو یہ اللہ کی عنایت ہے۔ دشمن کے شر میں اللہ نے نیر کا پہلو ڈال دیا ہے۔ ابھی دوسری مرتبہ یسین کا ختم مکمل نہیں ہوا تھا کہ گھر ایندھن سے بھر گیا۔ والدہ بتایا کرتیں، اتنا ایندھن ملا کہ مزید ایک ہفتے تک ہمیں بازار سے لکڑی خریدنے کی حاجت پیش نہیں آئی۔

## نقشِ ہزار رنگ :

ماں کے تصور کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی عظمتوں کا خیال آتا ہے، ان کی رفعتوں کا خیال آتا ہے، ان کی بے شمار صفتوں کا خیال آتا ہے اور کیا کیا کچھ یاد نہیں آتا اور مارنے اور جلانے والے نے اپنی قوتِ تخلیق کا کچھ حصہ ماں کو بخش دیا ہے، پھر خطا پر عطا کی صفت اسے دی ہے۔ پالنے پوسنے کا حوصلہ دیا اور ایسا جذبہ خدمت کہ نہ اس کی حد ہے نہ حساب! پھر ماں کا تصور تشنہ ہی رہتا ہے اور یہ تشنگی ایسی ہے کہ مدام ہے جو خونِ جگر پلا پلا کے اپنے



نوںہالوں کو پروان چڑھائے۔ اس کی منزلت کا احاطہ کون کرے، کیسے کرے؟ ممتا کیا ہے؟ اسے محسوس تو کر سکتے ہیں، بیان نہیں کر سکتے۔ ہاں کچھ ادھوری باتیں کہہ سکتے ہیں۔

یہ درست ہے کہ کوئی ماں نبی نہیں بنی، لیکن حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے لئے بھی خالق عالم نے ماں کا وجود ضروری سمجھا۔ کیا کیا شرف ہے، جو ماں کی ذات سے وابستہ نہیں ہے، اس نقش کے ہزار رنگ ہیں اور ہر رنگ تیکھا ہے۔

### والد مرحوم کی علالت اور خدمت :

احقر آٹھویں جماعت (سکول) میں زیر تعلیم تھا کہ والد صاحب مرحوم طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے، فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلَهُ وَاَرْحَمْ عَلَيْهِ.

اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے ایام علالت میں ان کی خدمت، تیمارداری، سنبھالنے اور ہر ممکن راحت پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ میری عمر اگرچہ اتنی پختہ نہیں تھی اور زمانہ بھی لاشعوری کا تھا مگر اب بھی والد صاحب کی علالت، اماں جی مرحومہ و مغفورہ کی صبر آزا خدمت اور تحمل و برداشت کا تصویب بھی آتا ہے تو یقین کیجئے کہ ورطہ حیرت میں ڈوب جاتا ہوں اور وثوق سے کہتا ہوں کہ اچھی سے اچھی اولاد اور پیارے سے پیارے بھائی اور بڑے بڑے حوصلوں والے مرد بھی ہوتے تب بھی ہمت ہار جاتے۔

ہفتہ اور مہینہ نہیں بلکہ سالوں والد مرحوم کو چار پائی پر الٹنا پلٹنا، بول و براز چار پائی پر، سنبھالنا اور صاف کرنا، زخموں پر مسلسل ادویات اور بروقت اس کا اہتمام کرنا، صبح و شام پر ہیزی کھانے کا اہتمام، چوزے خرید خرید کر اور بخنی بنا بنا کر کھلانا۔

والد مرحوم کی طویل علالت نے گھر کی تمام پونجی بھی تو ان ہی پر لگوا دی تھی۔ اماں جی مرحومہ و مغفورہ کے زیورات خود اس نے اپنی خوشی سے بیچ دیئے گھر میں کوئی بھی قیمت رکھنے والی چیز ہوتی اماں جی اسے بخوشی بیچ کر والد مرحوم کی ادویات پر صرف کر دیتی تھیں۔



اماں جی نہ صرف یہ کہ بیماری کی خدمت تک محدود رہیں بلکہ ان ایام میں گراں بہا ادویات کے اخراجات، اولاد کی تعلیم اور گھر کے مصارف کے لئے اپنے محدود دائرہ کے اندر رہ کر کوشش کرتیں اور کامیاب رہتیں۔

اللہ پاک یتیموں کا سہارا بن جاتے ہیں :

ایک روز اماں جی مرحومہ و مغفورہ کی والد مرحوم سے ان کے شدید ایامِ علالت میں اولاد کی اصلاح اور تعلیم کی بات چلی تو ڈبڈبائی آنکھوں اور بھرائے لہجے کے ساتھ فرمانے لگیں اللہ کریم آپ کو صحت دے کہ آپ والد ہیں اور والد کا سایہ بڑی رحمت ہوتا ہے۔ والد صاحب نے فرمایا :

”لا ریب! والد ایک سایہ اور سہارا ہوتا ہے مگر جب وہ چلا جاتا ہے تو خود

اللہ پاک ہی ان یتیموں کا سہارا بن جاتے ہیں۔“

والد صاحب کی رحلت کے بعد ہم تین بہنیں اور ایک بھائی یتیم رہ گئے۔ بظاہر اسباب جتنے بھی سہارے تھے وہ بھی حالات کی رو میں بہہ گئے۔ اس معاشرے میں غربت بھی جرم ہے، یتیمی بھی جرم، اپنے بیگانے ہو جاتے ہیں اور

ع ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

اس دوران میں نے ٹڈل سٹینڈرڈ کا امتحان دے دیا اور آٹھویں جماعت کے

امتحان میں کامیاب ہو گیا۔

عمامہ کا اہتمام :

اس موقع پر یہ بھی یاد آیا کہ اُن دنوں ٹڈل کا امتحان بھی بورڈ کے تحت ہوا کرتا تھا

ہمارا امتحانی سنٹر ”کلاچی“ مقرر ہوا کہ اپنے گاؤں میں سکول ٹڈل تک تھا چودھوان سے



براستہ ڈیرہ کلاچی کوئی 140، کلومیٹر کا سفر تھا سڑکیں بھی کچی تھیں سارا دن سفر میں لگ جایا کرتا تھا۔ سکول ٹیچرز نے طلبہ سے رقم جمع کی اور آٹھویں جماعت کے تمام طلباء کو کلاچی لے جایا گیا، اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے بھی اپنی حیثیت کے مطابق میرے لئے زادواہ کا اہتمام کیا۔ کپڑے سلوائے بجائے ٹوپی یا رومال کے اس وقت عمر کا تقاضا بھی یہی تھا کہ ٹوپی پہنا دی جاتی یا عام طالب علموں کی طرح ننگے سر رہنے دیا جاتا مگر والد ماجدہ نے ایک بڑی پگڑی خرید کر ساتھ دیدی کہ اسے سر پر باندھا کرو مجھے بھی پگڑی سے محبت تھی، آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا، سر پر عمامہ باندھ لیا جب تک کلاچی رہا عمامہ باندھے رہا واپسی اسی عمامہ میں ہوئی، میرا عمامہ سب کی نگاہوں کا ہدف تھا کبھی خندہ استہزاء، کبھی تعجب اور کبھی حیرت و استعجاب، مگر میں نے ایک ہی بات اپنائے رکھی کہ اماں جی نے کہا تھا کہ پگڑی باندھنا اب پگڑی ہی باندھا کروں گا۔

تب سے اب تک عمامہ معمول بھی ہے اور عادت بھی اور اتنا رچ بس گیا ہے کہ شدید گرمی میں بھی بغیر عمامہ کے یوں لگتا ہے جیسے سر پر کچھ نہ ہو۔

میٹرک کے لئے داخلہ کا مرحلہ :

حدودِ زندگی میں جب کوئی مشکل مقام آیا

نہ غیروں نے توجہ دی نہ اپنا کوئی کام آیا

اب میٹرک کے لئے داخلہ کا مرحلہ تھا، اپنے گاؤں ”چودھوان“ میں اس وقت ہائی

سکول نہیں تھا۔ کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ مجھے یتیم خانے میں داخل کرایا جائے۔ اماں جی

مرحومہ و مغفورہ کی رائے تھی کہ قریب کے گاؤں ”درا بن کلاں“ کے ہائی سکول میں داخل

کرایا جائے کہ میرے سارے کلاس فیلو بھی وہاں داخلہ لے رہے ہیں۔ ہفتے میں چھٹی ہوگی



تو گھر بھی آنا جانا ہو سکے گا اور جگہ بھی قریب ہے۔ آخر ایک بیٹا ہے اسے کیونکر اپنے دامن سے دور رکھا جائے۔ اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے ہمارے گھر سے متصل میرے چھوٹے چچا جان مرحوم سے کہہ دیا کہ عبدالقیوم کو یتیم خانے میں داخل کرنے کے لئے ڈی آئی خان لے جاؤ یا پھر قریب کے گاؤں درابن کلاں ہائی سکول میں داخل کرادو تو احسان ہوگا چچا جان نے حامی بھری۔ اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے کپڑے تیار کئے، صندوق اور سامان درست کیا، صبح نہلا دھلا کر صاف کپڑے پہنا کر بیٹے! اب انتظار کرو جب چچا جان کہیں گے تو فوراً ساتھ چلے جانا۔

طویل انتظار کے بعد جب اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے چچا جان کی دیوار پر دستک دی ہمارے اور چچا جان مرحوم کے گھروں کے درمیان ایک دیوار حائل تھی اور پوچھنا چاہا کہ چچا جان کا کیا پروگرام ہے؟ تو محترمہ چچی صاحبہ نے از خود کہہ دیا کہ چچا جان فرماتے ہیں کہ عبدالقیوم کی والدہ خود باہمت اور بہادر خاتون ہے، اپنے بیٹے کو جہاں بھی چاہے خود داخلہ دلا دے۔ اماں جی نے سنا، تو نہ گھبرائی اور نہ پریشان ہوئی اور نہ بزدل خواتین کی طرح واویلا کیا اور نہ کسی کا گلہ اور شکایت کی کہ ان کے مزاج میں شکوہ کا عنصر کم اور شکر کا زیادہ تھا۔ بڑے صبر و تحمل کے ساتھ مجھے ساتھ لیا، بس میں بیٹھے اور ہم درابن کلاں پہنچ گئے۔ یہ اس دور کی بات ہے کہ چودھوان اور درابن کے درمیان چلنے والی بس پورے ایک گھنٹہ اور کبھی اس بھی زائد وقت میں نومیل کی مسافت طے کرتی تھی۔ درابن پہنچے تو اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے والد صاحب مرحوم کے ایک دوست جناب کالو خان ماسٹر کے گھر کا اتہ پتہ معلوم کیا، مجھے ان کے گھر لے گئیں۔ ان سے داخلہ کی بات کی۔ وہ والد مرحوم کے شناسا تھے۔ انہوں نے قدر کی، نصف فیس کے معاف کرانے کا وعدہ کیا۔ اماں جی مطمئن ہوئیں۔

جب واپس لوٹے اصل منظر وہی ہے جو اب بھی تصور میں آتا ہے تو رونگٹے



کھڑے ہو جاتے ہیں اور بڑپا کے رکھ دیتا ہے۔ ایک اٹھنی (نصف روپیہ) کرایہ ہوا کرتا تھا۔ اب واپسی کا کرایہ ندارد۔ بوڑھی اماں جی نے کہا بیٹے! تم تو جوان ہو، کیا اٹھنی لگا کر فضول خرچی کریں گے، چلئے پیدل چلتے ہیں، صحت بھی بنے گی، تیرے ساتھ رفتار میں میرا مقابلہ بھی ہوگا اور فضول اخراجات سے بھی بچ جائیں گے۔ وہ مجھے یہ نہیں محسوس ہونے دیتی تھیں کہ ان کے پاس واپسی کا کرایہ بھی نہیں ہے۔

اولاد کی تربیت، تعلیم، دلجوئی اور حفاظتِ عزتِ نفس کا کتنا پیارا اور حکیمانہ انداز ہے مرحومہ و مغفورہ اسی آگ کے سمندر میں ڈوب ڈوب کر اور تیر تیر کر ہم فقیروں کی تربیت کر رہی تھیں.....

یہ عشق نہیں آسان، بس اتنا سمجھ لیجئے

اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

شدت کی بارش، رات کی تاریکی اور اماں جی کا طویل پیدل سفر :

جب چلے تو عصر کا وقت تھا، کالے کالے بادل منڈلا رہے تھے، بوند باندی بھی جاری تھی رعد و برق کا منظر ڈراؤنا تھا، سڑک کے دونوں طرف درخت، رات کے اندھیروں کی ظلمتوں اور بادلوں کے گھٹاٹوپ اندھیروں نے آخری وقت کے اجالوں کو بھی رات کی تاریکیوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ ہم دونوں بوڑھی اماں جی اور اس کا اکلوتا بیٹا عبدالقیوم سڑک کے کنارے کنارے پیدل چل رہے ہیں کہ مینہ برسنے لگا، کپڑے گیلے ہو گئے۔ اس زمانہ میں پختہ سڑکیں کہاں تھیں؟ سڑک ساری کیچڑ اور دلدل، پانی کے نالے بہنے لگے اور بعض اوقات گھٹنوں گھٹنوں پانی سے گزر رہے ہیں۔ والدہ کی زبان پر اللہ کا ذکر، درود شریف کی کثرت، میری حوصلہ افزائی کے لئے دل لگی کی باتیں، ہمت آفرینی کے لئے واہ واہ اور



جزاک اللہ۔ گھر پہنچے تو رات کافی بیت چکی تھی۔ آبادی میں بھی خاموشی کا سماں تھا، گھروں کے دروازے بند ہو چکے تھے، دروازہ کھٹ کھٹایا تو یتیم بہنیں بارش، بادلوں اور رعد و برق کے خوف اور رات کے سناٹے کی وجہ سے سہمی سہمی تھیں۔ تینوں بہنوں نے ڈر ڈر کر دروازہ پر آ کر نام پوچھا، جب انہیں اطمینان ہوا تب دروازہ کھولا تو ان کی بھی جان میں جان آئی اور ہمیں بھی سکھ کا سانس نصیب ہوا۔ والحمد للہ علی ذالک۔

### دھڑکتے ہوئے دل کی دعاؤں کے ثمرات :

اب پتہ لگتا ہے والدہ کیا ہوتی ہے، اس کی محبت کیا ہوتی ہے، کیا محنت ہوتی ہے، کیا شفقت ہوتی ہے۔ اس نے مجھے تعلیم دلانے کے لئے کیا کیا مراحل طے کئے۔ اگر وہ دن نہ ہوتے، والدہ کی شفقت، محنت اور ریاضت و مجاہدہ نہ ہوتا، درابن کلاں کا سفر نہ ہوتا، رات کی واپسی پیدل نہ ہوتی اور ان کے دھڑکتے ہوئے دل کی دعائیں نہ ہوتیں تو شاید آج مجھے اپنے قارئین سے یہ عبرت انگیز اور حیرت افزا داستان سنانے کا موقع بھی نہ ملتا۔ باری تعالیٰ مرحومہ و مغفورہ کو ایک ایک قدم بلکہ ایک ایک سانس کے بدلے کروڑوں کروڑوں درجات سے سرفراز فرمائے۔ خداوند کریم اہلیت و استعداد اور توفیق دے کہ ہم گنہ گار اماں جی مرحومہ و مغفورہ اور والد محترم کے لئے واقعہً بھی صدقہ جاریہ بن سکیں ورنہ والدہ تو والدہ ہے، ان کا حق کون ادا کر سکتا ہے؟

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ باپ اپنے گیارہ بیٹوں کی پرورش کر سکتا ہے مگر گیارہ بیٹے ایک باپ کی دیکھ بھال نہیں کر سکتے۔

اور والدہ تو اس سے بھی عظیم تر استحقاق رکھتی ہیں ان کے حق کی ادائیگی کا تصور بھی

ممکن نہیں۔



## درا بن ہائی سکول کے ہاسٹل میں :

دو سال میں نے درا بن ہائی سکول کے ہاسٹل میں گزارے۔ جمعرات کو گھر آ جایا کرتا تھا۔ والدہ اور یتیم بہنوں کی مجھ سے بہت توقعات تھیں کہ ہمارا عبدالقیوم میٹرک کر لے گا تو فوج میں بابو بنے گا یا کارخانے میں کلرک لگے گا یا سکول میں ٹیچر کی پوسٹ ملے گی، پھر اس کی تنخواہ ہوگی اس سے گھر کے مصارف بھی پورے ہوں گے اور فقر و غربت کے سایے بھی ہٹ جائیں گے۔

## دسویں جماعت کے امتحان میں کامیابی :

دسویں جماعت کا مرحلہ آیا تو دینی کتابیں بھی مطالعہ میں رہنے لگیں۔ ہفت روزہ خدام الدین لاہور، ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور، ماہنامہ تبصرہ لاہور، ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک، ماہنامہ البلاغ کراچی، ماہنامہ بینات کراچی بالخصوص خدام الدین کی قدیم فائلوں کا مطالعہ ہوتا رہا۔ رات کو ہاسٹل میں قیام ہوا کرتا تھا۔ میں کورس کی کتابوں کے بجائے مطالعہ کے اوقات میں دینی کتابوں کے مطالعہ میں مصروف رہتا تھا، جب دور سے ہاسٹل سپرنٹنڈنٹ کے پاؤں کی آہٹ محسوس کرتا، تو فوراً زیر مطالعہ دینی کتاب یا اسلامی پرچہ رکھ دیتا اور دکھلاوے کے لئے کورس کی کتاب ہاتھ میں پکڑ لیتا، جب سپرنٹنڈنٹ صاحب تشریف لے جاتے میں پھر اپنی دینی کتاب کے مطالعہ میں مشغول ہو جاتا۔

اوائل میں جب اساتذہ نماز کے لئے کہتے یا نماز کا وقت ہوتا تو کبھی کبھار صرف خانہ پُری کے لئے بے وضو نماز بھی پڑھ لیا کرتا، مگر حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالخلیم مرحوم (فاضل دیوبند) کی صحبتوں، حیات امیر شریعت اور دینی کتابوں کے مطالعہ و استفادہ کا نقد فائدہ یہ حاصل ہوا کہ میٹرک کے انتہائی زمانہ میں بے وضو سونا بھی گوارا نہ تھا۔ میٹرک کے



امتحان کے لئے احقر نے کوئی تیاری نہیں کی تھی۔ دینی کتابوں کا مطالعہ ہی سب سے بڑا سرمایہ تھا، اللہ نے لاج رکھ لی اور میٹرک میں اچھے نمبروں سے کامیابی عطا فرمائی۔ اماں جی مرحومہ و مغفورہ میری دسویں جماعت کی کامیابی پر بہت خوش تھیں اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازی رہتی تھی۔

### اکابر علماء دیوبند کی ملاقات (۱۹۷۰ء) کا الیکشن :

مگر خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ دسویں جماعت میں تھا کہ ۱۹۷۰ء کا الیکشن آیا۔ جمعیت علماء اسلام کے قائد حضرت مولانا مفتی محمود، ”ضیغم“ اسلام حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی، ”مرد قلندر“ حضرت درخواسٹی، ”بقیۃ السلف“ مولانا قاضی عبدالکریم کلاچوی، مولانا قاضی عبداللطیف مدظلہ کے نام کان میں پڑے۔ ان حضرات نے ہمارے علاقوں کا دورہ کیا تو دور سے ان کی ملاقات اور تقاریر سننے کا موقع ملا۔ سکول میں بھی اللہ نے مجھے دارالعلوم دیوبند کے فاضل حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالحلیم صاب (چودھوان) کے دامن تربیت میں پہنچا دیا۔ مرحوم عظیم خطیب، دین کے مخلص داعی اور صاحب دل بزرگ تھے، صاف ستھرے اور ہر وقت معطر رہتے تھے، دیہاتوں میں جا جا کر توحید کے نغمے بلند کرتے، اکابر علماء دیوبند کے فدائی اور شیدائی تھے۔ ان کی محفلوں اور دامن تربیت میں بیٹھ بیٹھ کر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا احمد علی لاہوری، قائد ملت مولانا مفتی محمود محدث العصر مولانا یوسف بنوری، شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ”مجاہد ملت“ مولانا غلام غوث ہزاروی کے نام سنے، ان کی عظمتیں دل میں بیٹھیں اور ان کی راہ چلنے کے ولولے انگڑائیاں لینے لگے۔

جب میٹرک کا امتحان دیا تو میں ذہنا دینی مدارس کی طالب علمی قبول کر چکا تھا۔



۱۹۷۰ء کے الیکشن میں اگرچہ میں سکول کا طالب علم تھا، عمر بھی اتنی نہیں تھی مگر حضرت مولانا مفتی محمود اور حضرت مولانا قاضی عبداللطیف صاحب کی انتخابی مہم کے لئے اپنی بساط تک ہر ممکن خدمت کی اور بھاگ دوڑ میں بھرپور حصہ لیا۔

اماں جی مولانا مفتی محمود کی پولنگ ایجنٹ:

اس مہم میں اماں جی مرحومہ کی دعائیں بھی میرے ساتھ تھیں اور عملی تعاون بھی۔  
خواتین میں اماں جی مرحومہ و مغفورہ حضرت مولانا مفتی محمود کی پولنگ ایجنٹ تھیں اور حضرت مفتی صاحب نے مرحومہ کی بہترین کارکردگی پر دوپٹہ بھی تحفہ ارسال فرمایا تھا۔ و اجرہم علی اللہ.

صاحبزادہ مولانا عبدالحلیم فاضل دیوبند کی صحبت کی برکت:

حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالحلیم صاحب نور اللہ مرقدہ (چودھوان) کی صحبتوں، حضرت مولانا قاضی عبداللطیف صاحب اور مولانا مفتی محمود صاحب کی انتخابی مہمات میں تگ و دو، علماء کی زیارت و ملاقات اور تقاریر اور ان کی صحبتوں کی برکتیں تھیں کہ میٹرک میں ٹیکنیکل سائنس لینے والا اور انجینئر بننے والا اسٹوڈنٹ عبدالقیوم اب حفظ القرآن اور علوم نبوت کی تحصیل کے جذبات رکھنے والا طالب علم بن گیا۔ نا انصافی ہوگی یا احسان فراموشی کہ عمر کے اس حصے میں دینی انقلاب برپا کرنے کے محرکات میں میرے میٹرک کے اساتذہ میں مولانا عبدالعزیز عربک ٹیچر اور علاقائی علماء میں مولانا عبدالحق چودھوان، مولانا عبدالمنان چودھوان، مولانا مفتی عطا محمد مرحوم چودھوان، مولانا عبدالحمید خان ارشد (چودھوان) کا ذکر نہ کیا جائے کہ احقر کی دینی تعلیم، اسلامی فکر اور تحصیل علم کیلئے استقامت اختیار کرنے میں ان حضرات کا بھی پورا پورا حصہ ہے، و اجرہم علی اللہ.



اس طرح درابن ہائی سکول کے ہاسٹل میں اپنے تبلیغی احباب یا لخصوص احمد جان ماسٹر (سکنہ گرہ مدہ) ہمیشہ یاد رہیں گے کہ وہ ہم کم عمر بچوں کو بٹھا بٹھا کر فضائل اعمال کو پڑھ پڑھ کر سنایا کرتے تھے نماز کی ترغیب دیتے اور اسلامی ذہن کی تشکیل کرتے ان کی رفاقت کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ تبلیغی جماعت کی نصرت کا معمول بن گیا جب سکول سے چھٹی پر گھر آتا تو والدہ اور بہنوں کو بٹھا کر فضائل اعمال سے تعلیم کراتا اور کبھی کبھی اپنے استاذ صاحبزادہ عبدالحلیم صاحب کی نقل کرتے ہوئے مجلس ذکر بھی کراتا۔ بچپنا تھا سنجیدگی غالب ہوتی تو مجلس ذکر اختتام کو پہنچتی مؤثر دعا بھی ہو جایا کرتی تھی اور بعض اوقات طبعی عمر اور بچپنا غالب ہوتا تو مجلس ذکر بھی اور تعلیم فضائل بھی ہنسی مذاق کی نذر ہو جاتی۔

مگر اماں جی مرحومہ و مغفورہ بہر صورت تشجیح فرماتیں اور محبت سے سمجھاتیں کہ:

”بیٹا! جب تم ہمیں تعلیم کراتے ہو، ذکر کراتے ہو اور خود ہنس دیتے ہو، تو

اس کا فائدہ تو نہیں ہوگا، فرماتیں! وقار سے رہو، چھوٹے بچوں کی طرح اب

تمہارے ہنسنے اور مذاق کرنے کا وقت نہیں ہے۔“

کارخانے کی ملازمت راس نہ آئی :

خرد کے شہر کی آب و ہوا آئی نہ راس ہم کو

جنوں کے شہر میں پایا نہ کوئی ہم نوا اپنا

میٹرک پاس کیا، گھریلو معاشی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اماں جی مرحومہ اور یتیم بہنوں

کا اصرار تھا کہ مجھے نوکری کرنی چاہیے۔ مجھے بھی احساس تھا کہ اب معاشی کفالت کی ذمہ

داری میرے کاندھوں پر ہے، مجھے اپنا فرض سمجھنا چاہیے، اپنے چند واقف کاروں کے ساتھ

ملتان چلا گیا اور کپڑے کے ایک کارخانے میں نوکری کے لئے بھرتی ہو گیا۔ وہاں پر عریانی،

افسروں کی خرمستیاں، بدکاریاں اور خرافات اپنے دینی مزاج پر گراں گذریں۔ سب کچھ



چھوڑ کر گھر واپس لوٹ آیا۔ نوکری کر کے کچھ لانا گھر والے یہی آس لگائے بیٹھے تھے۔ میں تو دیہاتی ماحول کا سادہ انسان تھا، اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے جو سفر خرچ پلے باندھ کر ساتھ دیا تھا وہ بھی بعض آزاد طبیعت اور جیب تراش احباب کی نذر ہو گیا۔

### اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے دینی تعلیم کی اجازت دیدی :

میں نے اماں جی مرحومہ سے عرض کیا کہ اب میں نے بہر صورت دینی تعلیم حاصل کرنی ہے، آپ اجازت دیں تو چند سال میں عالم بن جاؤں گا، پھر گھر یلو ضروریات بھی پوری ہوں گی۔

اللہ کے دین کا علم بھی مل جائے گا اور گھر میں کشتادگی بھی آجائے گی اور دین کی برکتیں بھی نازل ہوں گی، دنیا بھی بنے گی، آخرت بھی بنے گی۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اللہ راضی ہو جائیں گے۔ ابھی اس سلسلہ میں مشاورت جاری تھی کہ کس مدرسہ میں داخلہ لیا جائے، قائد ملت مولانا مفتی محمود کے مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں یا حضرت درخواسی کے مدرسہ مخزن العلوم خانیپور میں یا حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کے مدرسہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی میں یا شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق کے جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک میں یا حضرت مولانا قاضی عبدالکریم مدظلہ کے مدرسہ نجم المدارس کلاچی میں؟ ابھی داخلے کے ایام بھی دور تھے۔

### دینی تعلیم کی تحصیل سے قبل ایک شدید امتحان :

پھر سے وہی بیتابی دل کا مجھے شکوہ

پھر اٹھ کے گرا، گر کے اٹھا، اٹھ کے گرا میں

تقدیر کا ایک اور امتحان آیا۔ ہماری یتیمی کے ایام کے سرپرست جناب اورنگزیب



خان مرحوم کو جو میرے والد مرحوم سے ہمیں ترکہ میں ملنے والی زمین پر اس کی تقسیم کے سلسلہ میں میرے ساتھ تشریف لے گئے تھے۔ میرے بڑے چچا مرحوم نے چھہرے سے پے در پے وار کر کے انہیں شہید کر دیا۔ اس موقع پر مجھ پر بھی حملے ہوئے مگر اللہ نے بچا لیا۔ مقدمے درج ہوئے، دینی ذہن اور تحصیل علم کا جذبہ رکھنے والا یتیم عبدالقیوم اب تھانہ اور کچہری کی نذر ہو گیا۔ چونکہ مجھے اور میری زندگی کو خطرہ تھا تو 15 ایام تک مجھے حفاظت کی غرض سے تھانہ میں رکھا گیا۔ یہ ایام بڑے سخت تھے۔ ادھر والد مرحوم کا انتقال، ادھر غربت و افلاس کی یلغار۔ ادھر وسائل کا فقدان، ادھر اور نگزیب خان مرحوم کی شہادت۔ ادھر مجھے خطرہ جان اور تھانے میں قیام، خدا جانے اماں جی مرحومہ و مغفورہ کے دل پر کیا کیا گذر رہی ہوگی مگر اس خاتون نے بڑی ہمت، بڑی بہادری اور بڑی جرأت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کیا، صبر و تحمل سے مشکلات کی گتھیاں سلجھائیں۔ اس نے ہمت نہیں ہاری، دل نہیں چھوڑا۔

اماں جی مرحومہ و مغفورہ کی شخصیت کے عناصر ترکیبی محنت، مشقت، صبر، برداشت، غور و تدبیر، حکمت، استقامت اور یکسوئی ایسے خصائل تھے، جو کام کیا جی جان سے کیا، فکر و تدبیر اور اطمینان سے کیا، جم کر اور ساری توجہ و صلاحیتیں مرتکز کر کے کیا، وہ ہر قدم میں سو بار سوچتی تھی اور ایک بار کرتی تھیں، مگر کیا وہ جو کرنے کے قابل تھا، پھر کر دکھایا۔ واقعہ بھی یہ ہے کہ انسان کسی بھی حالت میں اپنے دل کو نہ گرائے ورنہ لوگ گرے ہوئے مکان کی اینٹیں اٹھا کر لے جاتے ہیں مگر کھڑی ہوئی عمارت کو کوئی بھی ہاتھ نہیں لگاتا.....

دورانِ سفر ہم نے پلٹ کر نہیں دیکھا

جب گھر سے نکل آئے تو پھر گھر نہیں دیکھا

ساری عمر اماں جی مرحومہ و مغفورہ اسی اصول پر کار بند رہیں۔



غلام مصطفیٰ خان تھانیدار اور نجم المدارس کلاچی میں داخلہ :

تھانے میں قیام کے ایام میں میری یتیمی، مظلومیت اور معصومیت کے پیش نظر تمام پولیس والے مجھ پر شفقت کرتے تھے۔ ان ہی ایام میں ایک نیک سیرت اور پاکباز انسان جناب غلام مصطفیٰ خان گندہ پور چودھوان تھانے کے انچارج تھانیدار تھے، ان کو مجھ گنہگار کے ساتھ بے حد انس ہو گیا تھا، میری تمام حالات کی خبر گیری کرتے رہتے، کھونہ کرید کر کے جب انہیں میری تمام حیثیات کا علم ہو گیا تو اور بھی شفقت فرمانے لگے۔ ایک دفعہ پوچھا میٹرک کے بعد حالات سدھر جائیں تو تمہارا کیا پروگرام ہوگا؟ دکانداری؟ زمینداری؟ تجارت یا ملازمت؟ میں نے عرض کیا دینی تعلیم کی تحصیل کا ارادہ ہے۔ پوچھ کہاں جاؤ گے؟ میں نے عرض کیا ملتان کے قاسم العلوم میں جہاں مولانا مفتی محمود شیخ الحدیث ہیں۔ فرمایا بیٹے! ملتان کی بات تم کیسے کرتے ہو، گھر میں کوئی مرد نہیں، بہنیں چھوٹی اور یتیم ہیں، کوئی بڑا بھائی بھی نہیں ہے، والدہ بوڑھی اور صدموں سے دوچار اور حالات سے لاچار ہے۔ کہنے لگے میری تجویز یہ ہے کہ تم کلاچی میں داخلہ لے لو، یہاں میرا اپنا گھر بھی ہے، احباب اور رشتہ دار بھی ہیں، کلاچی میں مولانا قاضی عبدالکریم صاحب اور مولانا قاضی عبداللطیف صاحب کا قدیم مدرسہ ہے نجم المدارس میں داخلہ دوادوں گا، ایک تو ہمیں خدمت کا موقع مل جائے گا دوسرا تم بھی گھر کے قریب ہو جاؤ گے اور گھریلو ذمہ داریاں بھی نبھاسکو گے۔ ان کی تجویز مجھے پسند آئی اماں جی سے عرض کیا تو انہوں نے اجازت دیدی۔

ایماندار خاتون کا تاریخی کارنامہ :

جن حالات سے میں گذر رہا تھا یا ہمارا خاندان گذر رہا تھا ایسے حالات میں اپنے اکلوتے اور یتیم بیٹے کو محض (تو کلاً علی اللہ) دینی تعلیم کے لئے گھر سے نکال دینا دل گردے کا کام ہے۔ پختہ ایمان والی خاتون ہی ایسا اقدام کر سکتی ہے ورنہ عقل اور اسباب



مل ہو جاتے ہیں۔ آخر جب گھر میں کوئی مرد نہ ہو، اتنا بھی بچہ گھر میں نہ ہو جو بازار سے سودا سلف لاسکے، خانگی امور میں اپنے بھی بیگانے بن چکے ہوں، والد مرحوم کا انتقال ہو چکا ہو اور ایک سرپرست قتل کر دیئے گئے ہوں اور گھر میں ایک ہی چشم و چراغ ہو، ایک ہی بچہ اور اس کے بھی جان سے مار ڈالنے کے خوفناک سایے ساتھ لگے ہوئے ہوں، گھریلو آمدنی اور مسائل کا عدم ہوں، موروثی اراضی سے فصل کی آمد غیر متوقع بلکہ موہوم ہو، اکلوتے بیٹے کو بنی تعلیم کے لئے اور وہ بھی سال دو سال کے لئے نہیں آٹھ دس سال کے لئے وقف کر دینا ایک ایماندار خاتون ہی یہ کارنامہ انجام دے سکتی ہے اور الحمد للہ کہ اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے بخوشی و رغبت اجازت بھی دی، اخراجات بھی دیئے، دعائیں بھی دیں اور چہرے پر بل تک نہیں آیا۔

## نجم المدارس میں نئی زندگی کا آغاز :

جناب غلام مصطفیٰ خان گندہ پور تھانیدار نے علاقہ بھر کی قدیم اور عظیم دینی درسگاہ نجم المدارس کلاچی میں میرا داخلہ کرادیا اور یہیں سے میری باقاعدہ دینی تعلیم کا آغاز ہوا۔ نجم المدارس کلاچی میری اولین مادر علمی ہی نہیں بلکہ پناہ گاہ بھی ہے اور تربیت گاہ بھی بلکہ میرے لئے تو حفاظت کا قلعہ ثابت ہوا۔ یہیں سے مجھے نئی زندگی ملی، فکر و عمل کے زاویے بدلے، سیرت و اخلاق کا معیار بدلا اور علوم نبوت سے شناسائی کے لئے زندگی کی گاڑی رواں دواں ہوگئی جس میں اماں جی مرحومہ و مغفورہ باقاعدہ شریک رہیں، دعا بھی، دوا بھی، سایہ رحمت بھی، نور ہدایت بھی، حوصلہ و سرپرستی بھی، تشجیح اور ہمت آفرینی بھی۔

کلاچی کے اکابر اساتذہ کی شفقتیں اور اپنے دامن رشد و ہدایت میں تھام لینے کا احسان کبھی نہیں بھولوں گا مگر پرس منظر میں والدہ کی جرأت، توکل اور تفویض نہ ہوتی تو کلاچی کے قاضی برادران کا دامن رشد و ہدایت کب ملتا، نجم المدارس تک رسائی اور



یہاں پڑھائی کے امکانات معدوم ہو جاتے۔ جو کچھ بھی ہے اماں جی مرحومہ و مغفورہ کی مساعی اور قربانیاں اس کی خشتِ اول اور بنیاد کا پتھر ہیں جس پر ساری تعمیر کا دار و مدار ہوتا ہے۔ بنیاد کا پتھر اور اس کی تمام تر قربانی کا علم صرف اللہ ہی کو ہوتا ہے، وہی نام بھی جانتا ہے، کام بھی جانتا ہے اور انعام بھی جانتا ہے۔ اللہ پاک اماں جی مرحومہ و مغفورہ کو اس کے کام اور نام سے بڑھ کر اپنی عظمتِ شان ہی کے شایانِ شان انعام عنایت فرمائے۔

## تعلیم و تربیت کی ایک مثال :

نجم المدارس کلاچی میں داخل ہونے سے قبل دو سال میٹرک تک سکول کی تعلیم کے دوران اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے اپنے اکلوتے یتیم بیٹے (عبدالقیوم حقانی) کی تعلیم و تربیت اور کنٹرول و انضباط کے لئے جس حکمتِ عملی، دانائی اور عقل مندی سے کام لیا وہ بھی ان ہی کا خاصہ ہے ورنہ آجکل کے گندے ماحول اور آزاد سوسائٹی میں ایسے لڑکے جن کا والد نہ ہو، کوئی سرپرست بھی نہ ہو، کوئی چچا، ماموں نگران بھی نہ ہو اور قدم قدم پر دعوتِ گناہ کی ترغیبات موجود ہوں، کون ہے جو بیچ کے رہے؟

درا بن ہائی سکول کے ہاسٹل میں قیام کے ایام میں ایک روز میں دوپہر کے وقت پیدل گھر کے لئے چل پڑا اور نو (۹) میل کا سفر پیدل طے کیا، شدت کی دھوپ، کڑا کے کی گرمی۔ گھر پہنچا تو چہرہ اتر اہوا تھا اور آثار بتا رہے تھے کہ میری حماقت نے میری کیا ہیئت بنا رکھی تھی۔ اماں جی مرحومہ و مغفورہ سمجھ گئیں۔ دو روز بعد جب واپس سکول پہنچا تو استاذ جناب ماسٹر کالو خان مرحوم نے اپنے ہاں بلایا اور بڑے پیار سے سمجھایا، محبت کے ساتھ ساتھ ڈانٹ بھی پلائی، ترغیب کے ساتھ ترہیب بھی تھی کہ دیکھو آجکل کی شدید گرمی اور دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ آدمی نو، نو میل پیدل چلے، گرم ہوائیں چلتی ہیں، راستے میں پینے کا پانی بھی نہیں، لو لگ جاتی ہے تو ہسپتال پہنچنے سے پہلے



پہلے آدمی قبرستان پہنچ جاتا ہے۔

دھڑکتا ہوا دل :

نصیحت کرتے کرتے فرمایا :

”عزیز! تمہیں اپنی بوڑھی اماں جی کا تو خیال رکھنا چاہیے تمہاری بے جا حرکت سے اس ستم رسیدہ بیوہ خاتون کو کس قدر اذیت اور تکلیف پہنچی ہے، دیکھو! وہ تمہارے ہی نامناسب اقدام سے چودھوان سے درابن میرے گھر آئیں کہ میرے بیٹے کو سمجھا دو کہ وہ دوپہر کو شدت کی گرمی میں تن تنہا پاپیادہ سفر نہ کرے۔“

میں سمجھ گیا کہ کالو خان ماسٹر کے میٹھے بول، محبت، شفقت اور پیار و ہدایت اور شیرینی گفتار کے پس منظر میں اماں جی مرحومہ و مغفورہ کا دھڑکتا ہوا دل اور ماں کی مامتا ہے جو بول رہی ہے۔ کاش! یہ شعور مجھے اس وقت حاصل ہوتا کہ والدہ کیا ہوتی ہے اور اس کی اطاعت ہی باعثِ نجات و ذریعہ سرفرازی ہے تو میں ہرگز ایسی حرکات نہ کرتا جس سے اماں جی کو تکلیف ہوتی اور اب اگر ازالہ ہو سکتا ہے تو دعا سے اور ایصالِ ثواب سے۔ تلاوت ہوتی ہے تو وہ اماں جی مرحومہ و مغفورہ کو ایصالِ ثواب کر دیتا ہوں اور دعائے مغفرت کا تو اہتمام ہوتا ہی رہتا ہے اور یہ جو اب جامعہ ابو ہریرہ بنا ہے یا میری تصنیفات اور ٹوٹی پھوٹی دینی خدمات کا سلسلہ ہے یہ بھی تو اماں جی مرحومہ و مغفورہ کے لئے صدقہ جاریہ ہے۔

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلِهَا وَارْحَمْ عَلَيْهَا.

اولاد کے اعمال، صدقہ جاریہ :

تلاوت اور ایصالِ ثواب پر یاد آیا کہ اگر تلاوت کر کے اماں جی مرحومہ و مغفورہ



کے لئے ایصالِ ثواب کروں گا تو یہ میری اپنی نیک بختی اور سعادت ہوگی اور اگر نہیں کروں گا تب بھی اماں جی مرحومہ و مغفورہ میری ہر تلاوت اور ہر نیک عمل میں برابر کی شریک رہیں گی اور اسے پورا پورا ثواب بھی پہنچتا رہے گا۔

اولاً ! تو اس لئے کہ میں ان کا بیٹا ہوں اور ان کے لئے صدقہ جاریہ بھی، خدا تعالیٰ واقعہً بھی مجھے ان کے لئے صدقہ جاریہ بنا دے، حسنات کی توفیق دے اور سیئات معاف کر دے۔

ثانیاً! اس لئے کہ میں نے اولاً قرآن بھی ان ہی سے پڑھا ہے۔ ناظرہ قرآن مجھے گھر میں اماں جی مرحومہ نے پڑھایا۔ بعد میں مولانا قاری عبدالرحمن صاحب نے حضرت مولانا مفتی عطا محمد مرحوم (چودھوان) کی دعوت پر ان کے مدرسہ میں قرآن پڑھانا شروع کیا تو مجھے والدین نے مشورہ کر کے ان کے ہاں داخل کر دیا۔ قاری صاحب ہمارے علاقے میں قرأت و تجوید کے ساتھ قرآن پڑھانے والے پہلے استاذ تھے جبکہ اس سے قبل بھی پورے شہر میں حفظ و ناظرہ کی تدریس کے مدرسے موجود تھے، اور پورے ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں یہ اعزاز ہمارے گاؤں ہی کو حاصل ہے، کہ اگر دوسرا شخص نہیں تو گاؤں کا تیسرا شخص ضرور حافظ قرآن ہے۔ مگر قاری صاحب موصوف کی تشریف آوری سے پورے گاؤں میں قرأت و تجوید کا چرچا بڑھ گیا، طلباء کی دلچسپی کو دیکھ کر بیرونی طلباء کے قیام کا بھی اہتمام کیا جانے لگا جو قاری صاحب سے حفظ و قرأت کا سبق پڑھتے۔ وہ نورانی قاعدہ بھی قرأت و تجوید کے ساتھ پڑھاتے، تلفظ و مخارج کی ابتداء سے اصلاح فرماتے تھے، گاؤں کے لوگوں نے کبھی قرأت و تجوید سے قرآن سنا ہی نہیں تھا اس لئے قدیم طرز کے بزرگ لوگ ان کے مخالف ہو گئے۔



جب استاذ کا دل خوش ہو گیا :

مگر اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے لوگوں کے غلط پروپیگنڈے کا کوئی اثر نہیں لیا۔  
 مجھے سکول کی گرمیوں کی تعطیلات کے زمانے میں قاری صاحب کی درسگاہ میں باقاعدہ بھیجتی  
 رہیں۔ جب چھٹی کر کے درسگاہ سے واپس گھر آتا تو اماں جی مرحومہ و مغفورہ مجھ سے  
 روزانہ کا سبق سنتیں اور خوش ہوتیں۔ قاری صاحب نے اپنے تلامذہ کے لئے اپنے گھر میں  
 ہندوستانی طرز کی قاریاں بنا لیں تو اماں جی مرحومہ نے اپنی جیب خاص سے ہدیہ  
 دے کر وہ ٹوپی خریدنے اور پہننے کی تاکید فرمائی اور کہا کرتیں کہ :

”اس سے استاذ کا دل خوش ہوگا اور اہل علم سے مناسبت ہوگی، ان کی

مشابہت اور نقل کرو گے تو اللہ اصل میں تبدیل کر دے گا۔“

اماں جی مرحومہ و مغفورہ کے پاس مترجم قرآن تھا۔ تاج کمپنی کا عمدہ اور شاندار  
 مطبوعہ نسخہ، خود بھی اس میں تلاوت کرتیں، مجھ سے بھی اس میں سنتیں، مجھے بھی اس میں  
 تلاوت کے لئے تاکید فرماتیں اور بین السطور ترجمہ دیکھنے کی ترغیب دیتیں۔ میری تلاوت  
 ختم ہو جاتی تو اردو ترجمہ دیکھتا رہتا، اس سے فکر و عمل کی تشکیل ہوتی اور فکری پختگی کی جانب  
 پیش رفت ہوتی۔ قربان جاؤں! کیا کیا ترغیب کا انداز تھا۔

قاری صاحب آگئے :

جب عصر کو چھٹی ہوتی اور میں قاری عبدالرحمن صاحب سے خریدی ہوئی ٹوپی پہن  
 کر والد مرحوم کی دکان پر آتا تو آپ مجھے دور سے دیکھ کر با آواز بلند فرماتے ماشاء اللہ! قاری  
 صاحب آگئے، قاری صاحب آگئے۔ ان کے الفاظ کی تکرار ہوتی اور میں سمجھتا کہ میں واقعی  
 قاری صاحب بن گیا ہوں، خوشی سے پھولے نہ سماتا۔ اپنی کوتاہی آڑے آئی، قاری صاحب



نہ تب بن سکا اور نہ اب ہوں اور اب جو قراء اور اہل علم کی تھوڑی بہت نقل ہو رہی ہے بسا غنیمت ہے۔ یہ بھی تو والدین کی تربیت، دعاؤں، توجہات اور نیک توقعات کا ثمرہ ہے۔ اللہ کریم کی رحمتِ حق سے بعید نہیں کہ وہ نقل کو اصل سے تبدیل کر دے۔

خیال تھا کہ اب اپنی اولین مادر علمی نجم المدارس میں تعلیم و تربیت، تحصیل علم اور مسافرت اور اماں جی مرحومہ و مغفورہ کی مساعدت و معاونت، معاملات اور رافت و رحمت اور شفقت و محبت اور کمالِ توجہ و عنایت کی حسین یادوں کو زیب قرطاس کروں مگر یادداشتوں کی دنیا بھی عجیب ہے، دماغی کمپیوٹر نے ماضی کے کئی روشن درتچے وا کر دیئے ہیں۔ ہر واقعہ اور ہر قصہ ایک سے ایک بڑھ کر، عبرت انگیز بھی، حیرت انگیز بھی اور سبق آموز بھی۔

### بچوں میں دینی اور نیم سیاسی کام :

دسویں جماعت میں زیر تعلیم تھا، جمعیت علماء اسلام پاکستان کی انتخابی مہم زوروں پر تھی یہ وہ دور تھا جب جمعیت ایک تھی۔ اسی دور میں بی بی سی نے ایک تجزیاتی رپورٹ میں کہا تھا کہ عنقریب پاکستان گورنمنٹ کی باگ ڈور جمعیت علماء اسلام سنبھال لے گی۔

جمعیت کی ذیلی تنظیم جے ٹی آئی بنی۔ احقر سکول کا طالب علم تھا، عمر بہت چھوٹی تھی مگر اس کے باوجود درابن، چودھوان اور موسیٰ زئی شریف جیسے شہروں کے سیاسی شعور اور انقلابی ولولوں سے نا آشنا لوگوں کی چھوٹی اولاد میں اپنی تنظیم بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ درابن میں موسیٰ زئی میں اور چودھوان میں چھوٹے چھوٹے بچوں کے جلوس نکالے جلسے کئے، تقریریں بھی کیں اور دعوتیں بھی چلائیں۔ بچپن کے ان دوستوں میں مولانا قاری رشید احمد اخوندزادہ موسیٰ زئی شریف، صاحبزادہ حافظ محمود مرحوم چودھوان، مولانا حافظ عبدالمجید جامی (گنڈی عیب) کے نام ہمیشہ یاد رہتے ہیں کہ بچپن کے ان معرکوں میں یہ



لوگ میرے دست و بازو ہوا کرتے تھے۔ اس سلسلہ کے ہر کام اور ہر قدم کے آغاز میں اماں جی مرحومہ و مغفورہ سے مشورہ لیتا۔ مرحومہ مشورہ بھی دیتیں اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازتیں، کاندھے پر تھپکی دیتیں۔ گھر سے نکلتا چل پڑتا، جدھر رخ ہوتا ادھر کامیا بیاں اور کامر انیاں میرا استقبال کرتیں۔

علاقائی اور خاندانی ماحول اگرچہ اس کے موافق نہیں تھا۔ میرے ایک چچا مرحوم نے بار بار کہا اور سمجھا سمجھا کر کہا۔ بھتیجے! مولوی (مسجد والا) بن کر کیا کرو گے، پہلے سے ٹکیاں کھانے والے (گھر گھر سے روٹی، نیم روٹی کا وظیفہ اور ٹکڑے جمع کرنے والے) اور کوئی تھوڑے ہیں کہ تم بھی اس راستے پر چل نکلے ہو۔ مگر اماں جی مرحومہ نے تو کبھی اسے عار سمجھا نہ خاندانی وقار کے خلاف سمجھا بلکہ میری روئیداد سن کر خوش ہوتیں۔ حوصلہ افزائی فرماتیں اور کہتیں بیٹا! یہ اعمال ایسے ہیں جو ہماری نجات کا ذریعہ بنیں گے۔

### مہمانوں کی خدمت اور سخاوت :

بہر حال قدرتِ لم یزل نے مجھے اب دین کے راستے پر گامزن کر دیا تھا، اماں جی مرحومہ و مغفورہ کی دعائیں، توجہات اور شب بیداری کی بے قراریاں میری پشت پناہی کر رہی تھیں بلکہ مجھے آگے بڑھا رہی تھیں نوین، دسویں کی طالب علمی کا زمانہ تھا اس میں کیا عمر ہوتی ہے؟ اور کیا شعور ہوتا ہے مگر دین کی نسبت کے حوالے سے خدا نے مجھے گویا ”اندھوں میں کاناراجہ“ بنا دیا۔ تھانڈل میٹرک کے درجہ کے طلبہ کی اپنی چھوٹی سی تنظیم بنالی تھی میں اس کا سیکرٹری بن گیا، آبائی گاؤں چودھوان میں جے ٹی آئی کا دفتر بھی کھولا تھا میرے ہم عمر سکول کے طلبہ وہاں آ کر دینی و مذہبی لٹریچر سے استفادہ بھی کیا کرتے تھے۔

میں دفتر کا انچارج بھی تھا۔ اماں جی مرحومہ و مغفورہ یہ حالات سن سن کر خوش ہوتی



تھیں۔ ظاہر ہے جب اس نوعیت کی ذمہ داری اور مرکزیت میرے سر تھی تو مہمان بھی آتے تھے اماں جی مرحومہ و مغفورہ اپنی حیثیت و وسعت اور طاقت سے دس گنا بڑھ کر میرے مہمانوں کیلئے ضیافت کا اہتمام کرتی تھیں، غربت و افلاس اور فقر و عسرت کے سایے بھی ساتھ ساتھ لگے رہتے تھے، چائے بسکٹ، کھانا، پھر کھانا بھی عمدہ کھانا، سبزی گوشت اور علاقہ کی روایات کے مطابق خرید کا اہتمام ہوتا تھا اور اس خدمت پر خوش ہوتی تھیں کہ میرے بیٹے کے مہمان آتے ہیں۔

### اچھے دوست :

اماں جی کی دعائیں اس عمر میں رنگ لاتی رہیں اور مجھے نویں دسویں جماعت میں اچھے رفقاء مل گئے ان کی صحبت، معیت، محبت اور رفاقت نے میرے اسلامی اور دینی ذہن میں پختگی پیدا کی اور علمی فکر کو جلا اور استحکام ملتا رہا، اس زمانے کے دوستوں میں جناب ڈاکٹر احسان الحق (چودھوان) جناب احمد جان (گرہ مدہ) جناب رشید احمد درابن کے نام بھی کام بھی اور احسانات بھی میرے ذہن کے دریچوں میں محفوظ ہیں۔

### محلہ کی مسجد پر جمعیت کا جھنڈا :

اسی دور کا ایک یادگار واقعہ یہ بھی محفوظ کرنے کے قابل ہے کہ پورے شہر میں دینی دعوت اور جمعیت کی بات نوخیز لڑکوں میں میرے حوالے سے چلنے لگی تو مجھے یہ فکر جنون کی حد تک دامن گیر ہو گئی کہ ہمارے محلہ کی مسجد کو بھی اس کا مرکز ہونا چاہیے، مگر اس وقت مسجد کے پیش امام ایک جید عالم دین، عظیم مصنف و ادیب..... تھے ان کا تعلق کسی دوسری جماعت سے تھا اور میری جمعیت سے وابستگی انہیں پسند نہ تھی مگر اس کے باوجود بھی ایک مرتبہ گاؤں کے چھوٹی عمر کے لڑکوں کو جمع کیا، عصر کے بعد ان کے سامنے تقریر کی جو اماں جی



مرحومہ و مغفورہ اپنے گھر میں بیٹھ کر سنتی رہیں کیونکہ ہمارے گھر کے کمروں کی پشت کی دیوار مسجد میں تھی اور پھر ان بچوں کو ساتھ لے جا کر بازار میں جلوس نکالا۔ اب مسجد پر جمعیت کا جھنڈا لگانے کے جذبہ نے انگڑائی لی..... میں جھنڈا لیکر مسجد کی چھت پر چڑھ گیا کہ مولانا موصوف آ موجود ہوئے اور سختی سے منع کر دیا میں کب رکنے کا تھا، اپنا کام کر ڈالا تو انہوں نے محلہ کے بعض شرپسند جوانوں کو میری مرمت کرنے کا مشن سونپ دیا۔ اماں جی مرحومہ و مغفورہ کو علم ہوا تو بے قراری بے چینی، اضطراب اور تشویش کے بجائے پورے وثوق یقین، اعتماد اور بھرپور جرأت اور بہادری سے مجھے اس کام پر مبارکباد دی، استقامت کی دعا فرمائی اور فرمایا :

”بیٹے! بہت اچھا کیا ہے ان شرپسندوں اور خود مولانا صاحب موصوف سے میں خود نیٹ لوں گی اپنا کام کئیے جاؤ کہ سارا گاؤں تم سے خوش ہے اور تمہارے کاموں پر سب لوگ مجھے مبارکباد کہتے ہیں۔“

### ماموں کے گھروں میں شادیاں :

والد مرحوم کے انتقال کو ابھی دس دن پورے نہیں ہوئے تھے کہ میرے دونوں ماموں کے گھروں میں میرے ملویریوں (ماموں زاد بھائیوں) کی شادیاں رچائیں گئیں، ڈھول باجے، کبڈیاں، میلے، اخراجات اور اسراف و تبذیر اس کے علاوہ۔ مغرب کے بعد چاند کی چاندنی میں ہم یتیم بہن بھائی اپنے گھر میں والدہ کے دائیں بائیں بیٹھے تھے، ماموں جان کے گھروں سے ڈھولوں باجوں کی آوازوں کی گونج ہمارے گھر تک پہنچ رہی تھی۔ انہیں نے نہ تو اپنے بہنوئی (میرے والد مرحوم) کے سوگ کا لحاظ کیا اور نہ اپنی ستم رسیدہ بہن کو اپنی خوشیوں میں شرکت کی دعوت دی۔ جرم غربت و افلاس تھا، ناداری اور یتیمی وجہ اعراض تھی کہ اس دور کا سب سے بڑا جرم افلاس ہے۔ گناہ امارت کی آغوش میں نیکی کہلاتا ہے اور نیکی



افلاس کے دامن میں گناہ کہلاتی ہے، غربت کی دنیا بہر حال حسرتوں کا نشیمن ہے۔

خدا کی رضا دین کے کام میں ہے :

خدا جانے طبلے کی ایک ایک تھاپ اور ڈھول کی ایک ایک آواز سے اماں جی مرحومہ و مغفورہ کے دل پر کتنے کتنے زخم اور کیسی کیسی چوٹیں وارد ہوتی ہوں گی مگر آپ سراپا صبر و تحمل کا نمونہ بنی بیٹھی تھیں۔ فرمایا :

”بیٹے! تم جو کام کر رہے ہو، قرآن پڑھتے ہو، بچوں میں دینی تنظیم بناتے ہو، دین کی اور جہاد کی اور اصلاح و اسلام کی بات کرتے ہو سب لوگ آفرین کہتے ہیں، خدا بھی راضی اور مخلوق بھی خوش۔ مجھے سب لوگ مبارکباد کہنے آتے ہیں۔ ڈھولوں، شادیوں، میلوں ٹھیلوں اور تماشوں پر خدا راضی نہیں ہوتا، تم جو دین کا کام کر رہے ہو اللہ پاک نے پہلے سے ایسے حالات بنا دیئے ہیں کہ تمہیں اس گندے ماحول میں جانا ہی نہ پڑے۔ اگر وہ بلا تے اور ہم بھی رشتہ داروں اور خاندانی روایات کو نبھاتے اور وہاں جاتے تو تمہیں فکری نقصان ہوتا اور ڈھول و طبلہ کی دنیا میں بہہ جاتے۔ فرمایا: بیٹے! اس بچپن میں اللہ نے مجھے تمہارے دینی کاموں سے مطمئن کر دیا ہے، بھائی مجھے نہیں اپناتے اور تمہارے والد مرحوم کے خاندان میں بھی میرے لئے اپنائیت نہیں ہے تو نہ ہو اللہ کے ہاں ضرور ہے کہ وہ ہماری اولاد کو نیک کام کی توفیق سے نواز رہا ہے۔“

اماں جی مرحومہ و مغفورہ کا یقین تھا کہ اس بزمِ سودوزیاں میں کامرانی کا جام کبھی کوتاہ دستوں کے لئے نہیں بھرا گیا، وہ ہمیشہ ان ہی کے حصہ میں آیا جو خود بڑھ کر اٹھالینے کی



جرات رکھتے ہیں.....

یہ بزم مئے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی  
جو بڑھ کر خود اٹھالے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

بڑی ہمشیرہ صاحبہ، امتحان کا ایک اور مرحلہ :

جی چاہتا ہے آگے بڑھوں اور اپنے قارئین کو بھی ساتھ لے کر چلوں مگر کیا کروں  
یہ تو دکھوں کی داستان ہے، بات پہ بات یاد آتی ہے۔ اماں جی مرحومہ و مغفورہ کی ادائیں  
ایک ایک کر کے سامنے آتی ہیں، کوئی بھی ایسی ادا نہیں جسے بھلایا جاسکے یا چھوڑا جاسکے۔  
یتیمی کا زخم تازہ تھا، والد مرحوم کے انتقال کے بعد بظاہر اسباب کچھ ایسے وسائل بھی نہ تھے  
جن پر بھروسہ کیا جاسکے۔ اماں جی مرحومہ و مغفورہ کے لئے میری تعلیم کا مسئلہ تمام مسائل پر  
اہم اور مقدم تھا، وہ اسی پر اپنی تمام توجہ مرکوز کئے ہوئے تھیں کہ بڑی ہمشیرہ صاحبہ کے نکاح  
کے بعد کی سنگین صورتحال کے طوفانِ بلاخیز کے گردابوں نے پورے خاندان کو آگھیرا۔ والد  
مرحوم نے اپنے پڑوس کے ایک یتیم و غریب کو بر بنائے شفقت و محبت اپنا داماد بنا لیا تھا مگر  
ان کے مزاج میں تمرد تھا، وہ والد مرحوم کی کمال شفقت و مروت اور احسان کو ان کی  
کمزوری پر محمول کر گیا اور اس کا بے جا فائدہ اٹھانا چاہا.....

کسی کے ظرف سے بڑھ کر نہ کر مہر و وفا ہرگز

کہ اس بے جا شرافت کا بڑا نقصان ہوتا ہے

وہی ہوا جو محسنین کے ساتھ ہوتا آیا ہے۔ والد مرحوم کے جان سے مارے ڈالے

جانے کی کوشش کی گئی، ان پر شدید حملہ کیا گیا، وہ زخمی ہوئے اور پھر طویل علالت کے بعد

اسی بیماری سے جنت کو سدھار گئے۔ اب والدہ کے لئے بڑی ہمشیرہ کے مستقبل کی صورت



گری اور ظالم داماد سے گلو خلاصی کا مرحلہ سامنے تھا۔ مخالفین نے عدالت میں دعویٰ کر دیا، ادھر مظلوم اور بوڑھی اماں جی اور ہم یتیموں کی بے چارگی، مقابلے میں مرد اور تمام تر وسائل مگر اس بوڑھی خاتون نے ہمت نہیں ہاری، ڈٹ کر قانونی جنگ لڑی۔ بڑی جرأت، بہادری اور پامردی کے ساتھ ڈٹ گئیں، اس میں میرے چچا زاد بھائی جناب ممریز خان صاحب اخوندزادہ کے احسانات اور حسن تدبیر کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا مگر ایک خاتون ہو کر جس طرح اماں جی مرحومہ و مغفورہ مسلسل عدالتوں کی پیشیاں، چودھوان سے ڈی آئی خان کے مسلسل اسفار اور زحمتیں برداشت کرتی رہیں۔ انہی اسفار میں نماز کی پابندی اور اد و وظائف کا تسلسل، تلاوت قرآن کے معمولات تک میں فرق نہیں آنے دیا۔ اماں جی مظلومہ تھیں، مظلوم اگرچہ کیسا ہی نحیف ہو، کمزور ہو ظالم کے ظلم کی تاب لاسکتا ہے مگر ظالم مظلوم کی آہ کی کبھی بھی تاب نہیں لاسکتا.....

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن

اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

احقر ان دنوں ہائی سکول درابن کلاں میں زیر تعلیم تھا۔ ان کے ڈی آئی خان آتے جاتے یہاں ملاقات ہو جایا کرتی تھی۔ بالآخر خدانے اماں جی مرحومہ و مغفورہ کو کامیاب فرمایا اور بڑی ہمشیرہ کی گلو خلاصی ہوئی۔ صبر و تحمل، برداشت اور رضا بالقضا کے بدلے اللہ نے انعام سے نوازا، ہمشیرہ کی دوسری جگہ شادی ہوئی اور اب الحمد للہ صاحب اولاد، خوشحال اور مطمئن ہے۔ ان کی آج کی مسرتوں اور خوشحالیوں میں اماں جی مرحومہ و مغفورہ کی قربانیوں، ریاضت بلکہ خون پسینے کا دخل ہے.....

چمن میں حسن گل و لالہ دیکھنے والو

گلوں میں عکس رخ باغباں بھی ہوتا ہے



## گندم کی روٹی پر لڑائی :

یہ تو پہلے بارہا اور بہ تکرار لکھ چکا ہوں کہ والدِ مرحوم کے سانحہ کے بعد ہماری معیشت اور معاشی حالت حد درجہ ناگفتہ بہ تھی۔ مہینوں مہینوں ہمارے گھر میں جوار (مکئی نہیں) یہ وہ جوار ہے جو چھوٹے چھوٹے دانے ہوتے ہیں اور حیوانات کو کھلائی جاتی ہے) کے ڈھوڑے پکتے تھے۔ گاہے گاہے اور وہ بھی ہفتوں بعد۔ کسی نیک دل یا رحم دل پڑوسی سے ایک دو گندم کی روٹیاں مل جایا کرتی تھیں۔ وہ روٹی گھر آتی تو ہم بہن بھائی آپس میں لڑ پڑتے۔ بہنیں کہتیں کہ ہم کھائیں گے، میں کہتا کہ یہ روٹی مجھے ملنی چاہیے۔ والدہ مرحومہ و مغفورہ یہ منظر دیکھ کر کبھی دل نہ ہارتیں اور نہ اس پر رو تیں بلکہ بڑے اطمینان سے فریقین میں صلح صفائی کرادیتیں اور فرماتیں :

”تمہاری محنت ہے اللہ تمہیں اجر دے گا، چیز تمہاری ہے تم ہی نے کھانی ہے مگر عبدالقیوم تو پھر بھی تمہارا بھائی ہے اور ایک بھائی ہے اسے نہیں دو گے تو اور کسے دو گے؟“

والدہ ماجدہ اور ہمارا پورا خاندان اس طرح کی عُسرت اور فقر و فاقہ کے مرحلوں سے گذر رہا تھا مگر اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے ان حالات و کیفیات کو گھر کی چار دیواری سے باہر کبھی آؤٹ نہیں ہونے دیا، نہ پڑوسیوں کو علم ہونے دیا اور نہ کبھی ایسا حیلہ بہانہ تراشا جو پڑوسیوں سے یا رشتہ داروں سے یا دور کے لوگوں سے حسنِ طلب پر حمل ہو۔

## پیشہ حصولِ رزقِ حلال :

اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے میری چھوٹی چھوٹی بہنوں کو چٹائیاں بننا سکھایا تھا، چٹائیاں بن کر میرے تعلیمی اخراجات کی کفالت کی۔ پھر اس سے بچا بچا کر اپنی ذات



اور اپنی بیٹیوں کے لئے قوت لایموت مہیا کیا۔ اس سے بھی بچا بچا کر اتنی رقم جمع کر لی کہ ایک کپڑوں کی سلائی مشین خرید لی۔ میری بہنوں کو کپڑوں کی سلائی سکھلائی۔ پھر اتنا رزاں سیٹا کہ بازار میں اگر دو روپے میں جوڑا سیٹا جاتا تھا تو ہمارے گھر میں جوڑے کی سلائی کی مزدوری ایک روپیہ ہوا کرتی تھی۔ اولاً میری بڑی ہمشیرہ صاحبہ نے سلائی مشین سیکھی تو میرے تعلیمی اخراجات سمیت گھر کے تمام مصارف کا بوجھ ان کے کاندھوں پر آ پڑا۔ وہ صبح سویرے کپڑے سینے بیٹھتیں مغرب تک اور پھر لائین جلا کر رات گئے تک محنت و مشقت کرتی رہیں، اماں جی مرحومہ و مغفورہ تمام مرحلوں میں ساتھ رہتیں۔ مسلسل بیٹھے رہنے، مسلسل کام کرتے رہنے اور نظر ایک جگہ جمائے رکھنے سے بڑی ہمشیرہ کو مستقل دردِ سر کا عارضہ لاحق ہوا تو اس کے بعد کی دونوں چھوٹی بہنوں نے سلائی کا کام سیکھ لیا مگر بایں ہمہ گھر کے تمام افراد نے قرآن کی تلاوت، نماز کی پابندی، اذکار کے معمولات میں ناغہ نہیں آنے دیا۔

## ارباب علم و کمال کے محرکات :

اللہ پاک نے مجھ گنہگار سے ”ارباب علم و کمال اور پیشہ رزقِ حلال“ لکھوائی، میں سمجھتا ہوں کہ اس کے پس منظر میں بھی اماں جی مرحومہ و مغفورہ اور یتیم بہنوں کی میری تعلیم کے سلسلہ میں سلائی کے رزقِ حلال میں انہماک اور میرے لئے تعلیمی اخراجات کی تحصیل کے وہ جذبات ضرور شریک بلکہ محرک ثابت ہوئے ہوں گے۔ جن مخلصانہ جذبات سے انہوں نے اپنے گھر کے واحد چشم و چراغ، اپنے اکلوتے بھائی کو تندہواؤں، باد مخالف کی یلغار سے بچا بچا کر آج اس مقام تک پہنچایا کہ وہ ہاتھ میں قلم لئے بیٹھا ہے۔ کبھی تفسیر لکھتا ہے، کبھی حدیث کی شرح، کبھی فقہ پر لکھتا ہے، کبھی تاریخ پر، کبھی حالاتِ حاضرہ پر، کبھی تدریس کرتا ہے، کبھی تبلیغ، کبھی مدرسہ بناتا ہے، کبھی سکول اور کبھی ہسپتال، یہ پیشہ رزق



حلال (والدہ مرحومہ اور یتیم ہمشیرگان کی اپنے ہاتھوں کی کمائی سلائی) کی برکتیں ہیں کہ اہل کمال کا مقام تو نہیں مگر ان کی نقل اور مشابہت کی سعادتیں ہیں جو اللہ نے عنایت فرمائی ہیں۔ اللہ کریم سے استقامت کی دعا بھی ہے۔ واجرہم علی اللہ۔

جب گھر میں افلاس کی بہار تھی :

هنيئاً لأرباب الكمال كمالهم وللعاشق المسكين ما يتجرع  
یعنی ارباب فضل و کمال کے لئے ان کے کمالات مبارک ہوں، مگر عاشق مسکین کو شرابِ محبت کا گھونٹ گھونٹ نوشِ جان کرنا بھی بہت بڑی نعمت ہے۔

اور یہ بھی ان دنوں کی بات ہے جب اماں جی مرحومہ و مغفورہ اپنی اولاد کے سامنے بار بار دہرایا کرتی تھیں، فرمایا کرتیں :

جب اپنے ہاتھ خالی ہوں :

”بیٹو ! اس دور میں غربت و افلاس سے بڑھ کر جرم اور کوئی نہیں۔ جب ہمارے ایام سخت تھے تو خیرات و صدقہ کے ایام، ماہ ربیع الاول میں، ماہِ رجب میں یا ۲ رمضان میں جب ہمارے پڑوس بلکہ پورے شہر میں بطور صدقہ و خیرات کے چاول پکتے، دیکیں چڑھتیں، حلوے تقسیم ہوتے، تمام شہر میں تقسیم ہوتے، لوگ ایک دوسرے کے گھر بھیجتے۔ علاقائی روایات کے مطابق نماز مغرب کے بعد مسجد تھالوں، پلیٹوں اور خیرات سے بھرے برتنوں سے بھر جاتی، ایک دوسرے کے گھروں میں لیجانے اور لے آنے سے گلیاں کی گلیاں خوشبوؤں سے مہک جاتیں، اور یہ تو ایسے مبارک دن اور لمحات ہوتے ہیں کہ اہل دل اور اہل خیر اس روز انسان تو انسان کتے کو بھی محروم رکھنے کی



جرات نہیں کرتے مگر ہم تب بھی محروم رہتے لوگ ہمارے گھر میں اپنا صدقہ و خیرات بھیجنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے کہ اصل مستحق تو ہم ہی تھے مگر جب وسعت آئی اور اللہ پاک نے وہ دور ختم کر دیا اب خیرات کے ایام میں گھر میں اتنا آجاتا ہے کہ سنبھالا نہیں جاسکتا۔ یہ تو ہوتا ہی ہے ان ایام کے بغیر بھی اب لوگ اتنا بھیجتے ہیں کہ اس کا بھی احاطہ نہیں کیا جاسکتا، واللہ الشکر والحمد۔“

اماں جی مرحومہ و مغفورہ غربت و افلاس کے ان ایام کا جب تذکرہ فرماتیں تو بات بات پر خدا کا شکر بجالاتیں فرماتیں :

”بیٹو! جو مزہ تکلیف میں ہے وہ آرام میں نہیں، مٹھاس کا حقیقی لطف لینا چاہتے ہو تو کڑوی شے بھی چکھ لو، پھولوں کی لطافت سے کھیلنا چاہتے ہو تو کانٹوں کی چھین سے بھی پیار کرو“

خطر پسند طبیعت کو سازگار نہیں

وہ گلستاں کہ جہاں گھات میں نہ ہو صیاد

”فرماتیں: اللہ نے ہمیں افلاس کی چکیوں میں پیسا ہے۔ آج جو تمہارا

بھائی عالم، مبلغ اور مصنف و مدرس بنا پھرتا ہے یہ تو اللہ کی عادت ہے جس سے

دین کے کام لینے ہوتے ہیں اسے پہلے افلاس کی چکیوں میں پیسے پس کر

سنوارتے اور نکھارتے ہیں۔“

جب صراحتی خالی ہو :

اس سے قبل قریب کے مضمون میں بڑی ہمشیرہ کے مستقبل، مقدموں، عدالتوں

اور پیشیوں کی بات لکھ چکا ہوں۔ جب فریق مخالف کی طرف سے ہمارے خلاف عدالتی



کاروائی اور مقدمہ بازی کا آغاز ہوا تو یہ اماں جی مرحومہ و مغفورہ کے لئے ایک ہیجان، اضطراب، بے چینی اور شب بیداری اور بے قراری کا ایک اور امتحانی مرحلہ تھا جس سے اللہ پاک نے گزارنا اور کندن بنانا تھا۔ اسباب کی دنیا میں رب الاسباب کے سوا کچھ نہ تھا، وسائل معدوم تھے، گھر میں کوئی مرد ایسا نہیں تھا جو مقدموں، عدالتوں اور وکیلوں کے جھمیلوں کی تاب لاسکے، میری عمر چھوٹی اور بہت چھوٹی تھی، بظاہر اسباب کے چاروں طرف دروازے بند تھے۔

اماں جی مرحومہ و مغفورہ بالآخر خدا کا نام اور قرآن مجید لے کر اپنے بھائیوں کے در دولت پر حاضر ہوئیں، بہ منت و سماجت عرض کیا کہ اخراجات جیسے بھی ہوں گے اور جہاں سے بھی ہوں گے میں خود مہیا کر لوں گی مگر عدالتی کاروائی میں تم لوگ میرے مختار اور وکیل بن کر آگے بڑھو، اگرچہ بچی میری بیٹی ہے مگر تمہاری بھی تو بھانجی ہے، اخلاق و شرافت، یتیموں کی سرپرستی و شفقت، انسانی ہمدردی اور اسلامی اخوت اپنی جگہ آخر ایک خون، ایک ماں باپ کی اولاد، بہن بھائی، رشتہ اور حمیت بھی تو کوئی چیز ہے جس کی پاسداری انسانی فطرت ہے۔

مخلوق نہیں خالق کے در دولت پر :

مگر اماں جی کے بھائیوں نے سمجھا کہ یتیم بھانجا اور یتیم بھانجیاں اور بیوہ بہن، ان کو ایک بار اپنا لیا تو گلے لگ جائیں گے، چمٹ جائیں گے تو پھر گلو خلاصی کے امکانات معدوم ہو جائیں گے۔ انہوں نے ہماری اماں جی کی درد بھری درخواست اور آہ بھری فریاد پر کان تک نہیں دھرا، ٹھکرادیا اور ایسا ٹھکرایا جیسے پتھر پر گیند لگے اور واپس لوٹے۔ اماں جی مرحومہ و مغفورہ دل برداشتہ نہیں ہوئیں، بڑی ہمشیرہ کی تسلی کے لئے ہمیں اکٹھا کر کے فرمایا :

”بیٹو! ان لوگوں کا قصور نہیں، میرا قصور ہے کہ میں خالق کو چھوڑ کر مخلوق کے



در دولت پر چلی گئی یہ لوگ تو خود محتاج ہیں اور سر اپا احتیاج ہیں، بھلا محتاج محتاج کی کیا بنائے گا۔ قصور ان کا بھی نہیں، حالات ایسے ہیں کہ اصل صراحی خالی ہے، جب صراحی خالی ہو تو پیمانہ کب ٹکتا ہے.....

بوقتِ تنگدستی آشنا بے گانہ مے گرد  
 صراحی چوں شود خالی جدا پیمانہ مے گرد  
 بے گسی میں نہ کوئی جب پئے امداد آیا  
 عقل نے راہبری کی، تو خدا یاد آیا  
 جب ہمارا خالق ہے، معبود ہے، وہی حتی و قیوم اور گرتوں کو تھامنے  
 والا ہے، اب آئیے اسی کی بارگاہ میں سجدہ کرنا ہے اور ایسا سجدہ کہ منوا کے چھوڑنا  
 ہے۔ پھر اللہ سے رجوع ہوئیں اور ایسی رجوع ہوئیں کہ منوا کے چھوڑا۔

اور ہمیں اقبال کی تعلیمات میں، وہ سجدہ ”کا عنوان یاد آ گیا.....  
 وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے  
 ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات  
 نظیر اکبر آبادی نے بھی خوب فرمایا ہے.....

اے دل کہیں تو جا کے نہ اپنی زباں ہلائے  
 اور دردِ دل کا اپنے کسی کو تو مت سُنائے  
 مانگ اس سے جس کے ہاتھ سے تو پیٹ بھر کے کھائے  
 مشہور یہ مثل ہے کہوں کیا میں تجھ سے ہائے  
 غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے  
 مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے



عمدہ ہیں جتنے خلق میں کیا شاہ کیا وزیر  
 اللہ ہی بس غنی ہے میاں ' اور سب فقیر  
 کیا گنج و ملک و مال ' مکان ' تاج کیا سریر  
 جو مانگنا ہے اس سے ہی مانگو میاں نظیر  
 غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے  
 مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

### دینی اور علمی زندگی کی حشتِ اول :

چاروں طرف سے مصائب و مشکلات دل زخم زخم تمام راستے کانٹے ہی کانٹے  
 مگر بایں ہمہ مجھ گنہ گار کی تعلیم، اخلاق اور تربیت کی فکر اور اس سلسلہ میں بالغ نظری اور بیدار  
 مغزی کے ساتھ حکمت و تدبیر سے موزون اقدامات کی ممکنہ پیش رفت۔ سنا ہے فطرت  
 مصائب کی بھٹی میں سنورتی ہے۔ اماں جی مرحومہ عزیز و اقارب بھائیوں، بہنوں، رشتہ  
 داروں اور اہل قرابت و اہل زمانہ سے شکایت کو فضول سمجھتی تھی.....

اوروں کی عیب جوئی اپنا ہنر نہیں ہے  
 اپنی ہی عیب جوئی یہ ہے ہنر ہمارا

فرمایا کرتیں :

”مصیبتوں کا شکوہ ایمان و اسلام میں پختگی، جوانمردی اور بہادری کی دلیل

نہیں، زمانہ کی شکایت اللہ کی شکایت ہے۔“ ان کی زندگی آفات کو دعوت کی

زندگی تھی اور وہ ہر لمحہ چشم عاشق کے مانند اس کے انتظار میں رہتی تھیں، چہرے

پر تروتازگی، اطمینان و سکون کی بہاریں کھلی رہتی تھیں“.....



چاروں طرف کانٹوں میں ہے گھرا ہوا یہ پھول  
پھر بھی کھلا ہی پڑتا ہے کیا خوش نصیب ہے

تبلیغی جماعت یا حضرِ راہ :

سکول کی تعطیلات کے ایام تھے شدت کی گرمی تھی۔ اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے نماز مغرب کے لئے محلے کی مسجد میں بھیجا اور پھر پیچھے چھوٹی ہمشیرہ بھی لگادی کہ واقعہ بھی میں مسجد میں نماز پڑھنے جا رہا ہوں یا کوچہ گردی کی نماز پڑھ کر واپس ہوتا ہوں۔ میں نے مسجد میں نماز پڑھ لی۔ ایک صاحب نے اعلان کیا کہ بقیہ نماز کے بعد دین کی بات ہوگی سب بیٹھ جاؤ، میں بھی بیٹھ گیا، سنت پڑھنے کے بعد دیکھا کہ ایک داڑھی منڈا، پتلون پہنے، ٹائی لگائے لوگوں کو قریب قریب آنے کی دعوت دے رہا ہے اور اسی لمحہ وہی صاحب خطبہ پڑھ کر تقریر کرنے لگے۔ مجھے ان کی ہیئت، صورت، حالت اور پھر دین اسلام کا بیان سن کر حیرت و استعجاب ہوا۔ فوراً مسجد سے باہر نکلا اور اپنے ہم عمر ساتھیوں کے سامنے اعلان کر دیا کہ مسجد میں عجیب تماشا اور عجیب منظر ہے، مولویوں نے داڑھیاں منڈا ڈالی ہیں، قمیض شلوار اتار کر پتلونیں پہن لی ہیں، ٹائی لگا کر دین اسلام کا وعظ کرنے لگے ہیں۔

میرے تمام ساتھی بھاگ کر میرے گرد جمع ہوئے، اب ہم لوگ ایک جتھہ بنا کر مسجد آئے اور تماشا دیکھنے لگے۔ بیان ختم ہوا تو ان لوگوں کی تمام توجہ ہم پر مبذول ہوئی۔ یہ تبلیغی جماعت کے لوگ تھے اور غالباً یہی وہ واحد جماعت تھی جو ہمارے شہر میں پہلی مرتبہ آئی تھی، لوگوں نے باتیں سنیں مگر سب کوشک وارتیاب رہا۔ محلہ کے مردوں اور خواتین میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ امریکی ایجنٹوں کی جماعت آئی ہے۔ جماعت والوں نے اس بھرے جتھے میں مجھے تاڑ لیا اور سمجھ گئے کہ سب کا سرغنہ یہی لڑکا ہے، ایک صاحب آگے بڑھے، مجھ



سے محبت اور شفقت، نرمی اور ملاحظت کے ساتھ گفتگو کی اور ہدیہ میٹھی گولیاں بھی دیں، روٹی پر بھی ساتھ بٹھایا۔ گھر پہنچا تو اماں جی مرحومہ و مغفورہ کو سارا قصہ سنایا :

”اماں جی نے کہا بیٹے! لوگ تو کہتے ہیں کہ امریکی ایجنٹ آئے ہیں، وہابی لوگ آئے ہیں اور تم کہتے ہو کہ دین کی بات کرتے ہیں۔ میں نے تفصیلات بتائیں تو فرمایا۔ بیٹے! ایسے لوگ تو صدیوں میں ملتے ہیں، جاؤ! ان کی خدمت کرو! ان کے ساتھ رہو! ان کی دعائیں حاصل کرو! ان کی باتیں یاد کرو! پھر گھر میں آ کر اپنی بہنوں کو بھی بتاؤ اور مجھے بھی سناؤ کہ یہی اصل دین ہے۔“

اہل محلہ کے لئے یہ پہلی تبلیغی جماعت ایک نادر کام اور نامانوس طریقہ تھا۔ ڈر، خوف اور ہراس طاری تھا، لوگ اپنے بچوں کو بچا بچا کر رکھتے تھے اور چھپا چھپا کر سنبھالتے تھے، وہابی لوگ اور امریکی لوگ آئے ہوئے ہیں، بچوں کو پکڑ کر لے جاتے اور گمراہ بنا دیتے ہیں مگر اماں جی مرحومہ و مغفورہ تاکید پر تاکید کر رہی ہیں :

”بیٹے! ان لوگوں کی خدمت کرو! ان سے دین، اخلاص اور انسانی اقدار

حاصل کرو۔“

یہ ان کی فکری پختگی، تعلیم و تربیت کے لئے بے چینی اور اپنی اولاد کی اصلاح میں مخلصانہ جذبہ اور جان نثارانہ ولولہ تھا۔ میں گنہ گار اماں جی کے اصرار پر جماعت کے ساتھ لگ گیا، جب تک وہ گاؤں میں رہے میں ساتھ رہا۔ ان کی خدمت کرتا، بسترے اٹھاتا، برتن سنبھالتا، ان کی باتیں سنتا، دعائیں سیکھتا، نماز سناتا اور ہدایات پر عمل پیرا ہوتا رہا۔ جتنے روز رہے میں ساتھ رہا۔ الحمد للہ چند روز میں فکر، ذہن اور دل و دماغ کی کایا پلٹ گئی، میں زندگی کے اس موڑ پر نہیں، حضرت راہ سمجھتا ہوں۔ اپنے خدا کو پہچان لیا اور یہیں سے اپنی دینی اور علمی زندگی کی حشتِ اول رکھ دی گئی، پس منظر میں ماں کی ممتا محرک ہے.....



اس ظلم کی دنیا میں فقط پیار میری ماں  
ہے میرے لئے سایہ دیوار میری ماں  
نفرت کے جزیروں سے محبت کی حدوں تک  
بس پیار ہے ہاں پیار ہے بس پیار میری ماں

### ایک قیامت خیز واقعہ :

بتانا یہ تھا کہ میرے تحصیلِ علومِ دینیہ کی مختلف ترغیبات اور محرکات کے پس منظر  
میں اماں جی مرحومہ و مغفورہ کی دعائیں، سلامتِ فکر اور حُسنِ تدبیر بھی سو فیصد شریکِ حال  
رہیں۔ مرحومہ کا صبر، حوصلہ، تحمل، بردباری اور تفویض و توکل کسی بھی لمحے، کسی بھی خوشی، کسی  
بھی غم اور کسی بھی مخالف اور ناموافق اور ہر لحاظ سے ہیجان خیز اور اضطراب انگیز حالات  
میں بھی مرحومہ و مغفورہ سے جدا نہیں ہوا۔

میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد اور نجم المدارس کلاچی میں داخلہ لینے سے  
پہلے محلے کی ایک مسجد میں قرآن مجید پڑھا کرتا تھا۔ قرآن کے شوق، تحصیلِ علم اور شوقِ  
قرأت نے ایسا کھینچا کہ مسجد کا ہو کر رہ گیا۔ گھر کے کام اندرون خانہ خدمت بیرون خانہ کے  
تمام امور اور خدمات چھوٹ کر رہ گئے مگر اماں جی مرحومہ و مغفورہ کے چہرے پر کبھی بل تک  
نہیں آیا، وہ خوش تھیں اور اس بات پر خوش تھیں کہ میرا بیٹا قرآن پڑھ رہا ہے۔ میں قرآن  
میں لگ گیا، شیطان میرے پیچھے لگ گیا، دشمنی و عداوت اور خانگی آویزشوں اور اندیشہ  
ہائے موت و حیات کے جن مرحلوں سے میں گذر رہا تھا اس کی ایک جھلک قارئین دیکھ  
آئے ہیں۔

ایسے حالات میں ایک روز دوپہر کو قرآن کے سبق سے چھٹی ملی، میں مسجد کے



قریب کی ایک گلی سے گذر رہا تھا کہ ناگاہ اسی گلی میں واقع ایک گھر کا دروازہ کھلا تو ایک مضبوط اور طاقتور نوجوان میری کمر میں لگ کر مجھے اٹھا چکا تھا۔ جب میں نے اپنے آپ کو سنبھالا تو میں ایک بند کمرے میں پڑا تھا۔ میرے پیچھے دروازہ بند کر دیا گیا، اس کمرے میں کھڑکی یا روشندان تو تھا نہیں دروازہ بھی اس قدر مضبوط کہ اندر روشنی کی کوئی کرن نہیں آتی تھی، گھپ اندھیرا تھا، میں خوف زدہ تھا، خوف سے حلق خشک ہو گیا تھا کہ یا اللہ! یہ کیا ہو گیا ہے۔ جب قدرے ہوش ٹھکانے لگے تو یہ بات سمجھ میں آئی کہ اس شخص کے ارادے خطرناک ہیں، مجھے محصور کر کے خود کچھ کرنے چلا گیا ہے اور یہ کسی بھی وقت دشمنوں کا آلہ کار بن کر کوئی بھی انتہائی اقدام کر گذرے گا۔

کمرے میں ہاتھ پاؤں مارنا شروع کئے، تلاش شروع کر دی کوئی کلہاڑا ملے دروازہ توڑ دوں، چھری ملے نیچے سے زمین کرید کر دروازہ نکال دوں۔ جب کچھ بھی نہ ملا تو ایک چھوٹی سی لکڑی سے دروازے کے نیچے والی زمین کریدنا شروع کی، لکڑی اور ہاتھ چلتے رہے، پھر فکری طور پر مجھے چند لمحے بعد موت نظر آ رہی تھی، خدا جانے لکڑی اور ہاتھوں نے کیسے کام کیا۔ اتنا کام کیا اتنا کام کیا کہ بالآخر دروازے کو اکھیڑ ڈالا اور پھر زور لگا لگا کر نیچے کی طرف سے اتنا کھینچا کہ مجھے رینگ کر نکلنے کا راستہ مل گیا۔ کمرے سے باہر نکلا تو باہر کا دروازہ بند، چاروں طرف دیو قامت دیواریں اب کیا بنے گا۔ چیخنا شروع کیا، باہر کسی بچے نے میری آواز سنی تو دوڑ کر میرے گھر اطلاع دیدی کہ عبدالقیوم فلاں گھر میں محصور ہے اس کے رونے اور چیخنے کی آوازیں آرہی ہیں۔

اس خبر سے اماں جی مرحومہ و مغفورہ کے دل پر کیا گذری ہوگی، کیسی بجلیاں گری ہوں گی، کیا قیامت واقع ہوئی ہوگی۔ دیکھا چند لمحوں میں میری چھوٹی چھوٹی معصوم بہنیں پہنچ گئیں اور رونے میں گندھی ہوئی آوازوں کے ساتھ ”او، لالا، او، لالا“ (یہ پشتو الفاظ ہیں



یعنی ارے بھائی، ارے بھائی) کہہ کر مجھے پکارنے لگیں باہر وہ روئیں اور مجھے پکاریں، اندر سے میں روؤں اور انہیں پکاروں۔ دیو قامت دیواروں پر چڑھ چڑھ کر گرتا رہا، ہاتھ پاؤں زخمی ہو چکے تھے، چلچلاتی دھوپ جلا رہی تھی۔ تاہم اتنی تسلی ضرور ہو گئی تھی کہ باہر سے اپنی چھوٹی بہنیں پہنچ چکی ہیں۔ ان کا رونا خدا کو پسند آیا، تھک ہار کر جب میں کسی بھی صورت میں نکلنے میں ناکام ہو گیا تو میرے دل میں اللہ نے تجویز ڈال دی، گھر کے ایک کونے میں ایک لمبے درخت کا کا کٹا ہوا تنا پڑا تھا، اسے کب اٹھا سکتا تھا، گھسیٹ کر دیوار کے قریب لایا اور پھر دیوار کے ساتھ کھڑے کرنے کی جدوجہد میں لگ گیا۔ میری عمر چھوٹی تھی اور وہ بہت بھاری تھا، میں چمٹ گیا مرتا کیا نہ کرتا، بالآخر دیوار کے ساتھ کھڑا کرنے میں کامیاب ہو گیا اور اسے سیڑھی بنا کر دیوار پر چڑھ دوڑا۔

ادھر سے چھلانگ لگادی، دیوار کی بلندی اور اونچائی کے پیش نظر بظاہر اسباب کوئی بچنے کی امید نہ تھی مگر خدا کا فضل تھا کوئی چوٹ نہیں آئی۔ گھر پہنچا تو اماں جی مرحومہ و مغفورہ قرآن کی تلاوت میں مشغول تھیں۔ دیکھا تو یسین شریف پڑھ رہی تھیں۔ مجھے دیکھ کر بے قابو ہو گئیں مگر جب تک یسین مکمل نہ فرمائی میرے ساتھ بات نہیں کی، یسین شریف مکمل فرمائی خدا کا شکر ادا کیا، مجھے بوسہ دیا، پیار کیا اور اب ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے تھے۔ گھر میں کوئی ڈیڑھ گھنٹہ قبل اطلاع پہنچ چکی تھی جبکہ اس سے قبل تین گھنٹے تک تو میں کمرے میں بند تھا اور دروازہ اکھیڑنے میں لگا ہوا تھا۔ بعد میں جب اطمینان ہوا تو کئی روز بعد کسی گفتگو میں اماں جی نے فرمایا:

”بیٹا! دل نے کہا ابھی دوڑ پڑوں اور جس گھر میں محصور ہیں وہیں پہنچ جاؤں، پھر سوچا میں کیا کر سکتی ہوں، بے قابو ہو جاؤں گی، آپ کو آوازیں دوں گی، منہ سے چیخیں نکلیں گی، آخر اکلوتے بیٹے ہو شاید بے ہوشی آجائے تو



بے پردگی آجائے گی، آخر عزت و ناموس بھی تو کوئی چیز ہے، میں نے صبر سے کام لیا اور حضور اقدس ﷺ کی حدیث یاد آگئی کہ ”یسین پہلے پڑھو اور بعد میں حاجت رکھو اللہ کریم حاجت پوری کر دیں گے“ میں تب سے یسین پڑھنے بیٹھی، قرآن نظر نہیں آتا تھا، آنکھوں میں آنسو اور اندھیرا اندھیرا تھا، آواز رندھ گئی تھی، پڑھا نہیں جاتا تھا، یاد سے پڑھنے سے بھی دماغ فیل ہو گیا تھا تو میں قرآن کے سطروں پر انگلی پھیرتی رہی، بالآخر اللہ کریم نے میرے اکلوتے بیٹے کو میری جھولی میں ڈال دیا۔ والحمد لله علی ذالک۔“

پھر کیا ہوا؟ وہی غلام مصطفیٰ خان تھانیدار جو ہمارے پڑوس میں کرایہ کے گھر میں رہتا تھا، اس کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو اس نے از خود اس نوجوان کے خلاف قانونی کارروائی کی جس پر اس کے پورے خاندان میں ہلچل مچ گئی، چند روز بعد وہی ظالم معززین شہر کا ایک وفد بنا کر ہمارے دروازے پر آ گیا، دستک ہوئی احقر باہر آیا تو گلی معززین شہر سے بھری ہوئی ہے۔ میں نے اس نوجوان کو دیکھا تو رگوں میں غیرت و حمیت اور انتقام کا خون دوڑنے لگے۔ اماں جی مرحومہ و مغفورہ تک اطلاع پہنچانے سے پہلے پہلے اس کو خوب صلواتیں سنائیں، بچپنا تھا اور جماعتیں بھی تھیں، معززین کو کیا پہنچانتا، جو منہ میں آیا کہہ ڈالا۔ اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے میری آواز سنی تو اندر بلایا، صورتِ حال سے آگاہ ہوئیں، سکتے میں آگئیں، قدرے توقف کیا، وفد کے رئیس ایک بزرگ نے ڈیوڑھی میں پردے کے پیچھے تمام صورتِ حال کا ذکر کر کے معافی کی درخواست کی۔ اماں جی مرحومہ و مغفورہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ فرمایا:

”بیٹے! ہم نے بھی تو خدا کے حضور حاضر ہونا ہے، ہماری حیثیت ہی کیا ہے

کہ لوگ ہم سے معافی مانگتے ہیں، اس نے جو کیا سو کیا، جس نیت سے کیا وہ اللہ



ہی جانتا ہے، جب آخرت میں خدا کے حضور اپنی پیشی کا تصور کرتی ہوں تو یہ معاملہ بڑا سہل ہو جاتا ہے۔ بیٹا! اب ہم اس کو معاف کر دیں گے تو کل اللہ ہمیں معاف کر دے گا۔ مجھے راضی کر لیا اور اس کی معافی کا اعلان کر دیا۔ وفد بھی خوش اور اماں جی بھی خوش۔“

### جب دینی طالب علمی کا باقاعدہ آغاز ہوا :

نجم المدارس کلاچی میں تحصیل علم دین کے لئے داخل ہوا اور صرف و نحو کی گردانیں شروع ہوئیں۔ مسافری، کپڑے دھونے، چائے پکانے، برتن مانجنے، کلاچی کا کھارا پانی پینے، لکڑیاں جمع کرنے (ابھی اسٹوپ اور فان گیس کا دور نہیں تھا اور اگر کہیں کہیں اسٹوپ دستیاب بھی تھے تو جیب میں اس کے خریدنے کی گنجائش نہیں تھی) کی محنت و مشقت اور ریاضت کے مرحلوں میں جب قدم رکھا تو مزاج نے بغاوت کر دی۔ آخر ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا، گھر میں سب میری ناز برداریاں برداشت کرتے تھے، والد مرحوم کو مجھے جھڑک دینا بھی گوارا نہ تھا۔ اماں جی مرحومہ بھی میرا ہر ستم، میری ہر جفا، میری ہر ناگوار ادا کو اکلوتا اور محبوب بیٹا ہونے کے پیش نظر گوارا کر لیتی تھیں۔ کلاچی پہنچا، تحصیل علم کے لئے سفر کا آغاز ہوا۔ ماں کا دامن کہاں؟ بہنوں کی محبت اور پیار کی بہار کہاں؟ سارے کام خود کرنے پڑتے تھے۔ میری تو پہلے ہفتہ میں طبیعت اکھڑ گئی اور بھاگنے کا فیصلہ کر لیا، حیلہ بہانہ کر کے چھٹی لی اور گھر پہنچ گیا۔

### نصیحت کا حکیمانہ انداز :

اماں جی مرحومہ و مغفورہ تمام تر صورت حال اور پس منظر کو سمجھ گئیں، بڑے پیار سے، بڑی محبت سے، بے پناہ شفقت سے میٹھی اور شیرین زبان سے، نرم گفتگو سے سمجھایا، بار



بار سمجھایا۔ فرمایا :

”بیٹے! تم نہیں پڑھو گے تو کیا کرو گے؟ آخر اپنے ہم عمر اور سکول کے کلاس فیلو ساتھیوں کے کردار اور انجام پر نظر کیوں نہیں رکھتے؟ اپنے دسویں جماعت کے ساتھیوں کو دیکھو، کوئی بھنگ میں لگ گیا ہے، کوئی چرس میں لگ گیا ہے، کوئی جوئے میں لگ گیا ہے تمہیں اللہ نے دینی تعلیم میں لگا دیا، سب لوگ مجھے کہتے ہیں کہ بیٹا ہے تو تمہارا ہے۔ اگر تم نے بھی تحصیل علم دین کی محنت چھوڑ دی تو پھر تم بھی اسی ڈگر پر چل پڑو گے جس پر دوسرے چل رہے ہیں، تم جانتے ہو کہ بظاہر اسباب ہمارا کوئی نہیں، کوئی مرد گھر میں نہیں، کوئی اتنا بچہ بھی گھر میں نہیں ہے جو پڑوس سے دودھ لاسکے پھر اس سب کچھ کے باوجود ہم تو ہر مصیبت برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں مگر تم تحصیل علم کے لئے کیوں تیار نہیں ہوتے۔“

بیٹے! پڑھو، پڑھو، اخراجات کی فکر نہ کرو، اپنی جائیداد بیچ دوں گی، زیورات فروخت کر دوں گی، ہم سب بھوکے رہیں گے مگر بیٹا! تمہارا خرچ پورا کرتے رہیں گے۔ فرمایا! چار جوڑے کپڑوں کے بنا دیتی ہوں، میلے ہوتے رہیں، جمع کرتے رہو جب دو ہفتے بعد آؤ گے تو گھر میں دھو دیا کریں گے۔ کپڑے دھونے کی زحمتیں نہ اٹھاؤ۔“

ایک نوجوان ساتھی کا طنز کام کر گیا :

اماں جی مرحومہ کے مشفقانہ نصائح، مخلصانہ جذبات اور مجبانہ عنایات کا توشہ

بے بہا لے کر میں پھر سے چارو ناچار نجم المدارس کلاچی کے لئے چل پڑا۔ اب کے بار اماں



جی مرحومہ و مغفورہ نے ڈھیروں دعاؤں سے نوازا تھا اور کلاچی میں میرے جی لگنے اور تعلیم میں استقامت کی دعائیں بھی کیں تھیں یہ قبولیت کی گھڑیاں ہوں گی۔ اب کے بار نصاب میں یہ بھی فرمایا تھا :

”بیٹے! تمہیں یاد ہوگا جب تم تحصیل علم دین کے لئے کلاچی جا رہے تھے اور تمہارے فلاں پڑوسی نے جب تم سے پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے تم نے بتایا علم دین کے حصول کا۔ تو اس نے تم کو کیا کہا تھا یاد ہے؟ اس نے کہا تھا ”مجھے یقین ہے تم علم پڑھنے والے نہیں ہو چند روز میں بھاگ آؤ گے اور اگر تم نے علم مکمل کر لیا تو میں اپنی داڑھی مونڈ کر گدھے کے پیشاب سے دھوؤں گا“ بیٹا! تم نے اس کا عملی جواب دینا ہے بہادر بننا ہے ایک بازاری آدمی نے تمہیں چیلنج کیا ہے چیلنج۔“

نجم المدارس پہنچا۔ مرجھایا ہوتا تھا، طبیعت اکھڑی ہوتی تھی، ہر شام سوتے وقت فیصلہ کر لیتا کہ جب طلبہ صبح کی نماز کے لئے مسجد چلے جائیں گے میں اپنا بستر سنبھال کر اڈھ پر چلا جاؤں گا مگر جب بسترہ اٹھاتا تو اماں جی مرحومہ کی نصاب یاد آ جاتیں، پاؤں بوجھل ہو جاتے اور اس بازاری آدمی کا چیلنج میرا دامن پکڑ لیتا اور میں اپنے مذموم ارادوں سے باز رہ جاتا۔

مولانا محبت الرحمن شہید کی شفقتیں :

میری طبیعت کی اداسی ہمہ وقت بے چینی اور بیقراری میری ہر حرکت سے ہویدا تھی کہ نجم المدارس کے ایک قدیم طالب علم مولانا محبت الرحمن شہید نے تمام صورت حال بھانپ لی اور مجھ پر مہربان ہو گئے۔ اپنے دامن شفقت میں لیا، اسباق کا تکرار اکابر کے



اقعات، اساتذہ کی محبت و خدمت اور دینی جذبات کی انگلیخت کے لئے ہر ممکن ذرائع اور  
 سائل اختیار کئے، اپنا ایک بھائی (جو میرا ہم عمر تھا، حافظ مطیع اللہ جو ان دنوں کوئٹہ میں مدرس  
 ہے، جامعہ حقانیہ کا فاضل ہے) کو میری خدمت اور میرے بہلانے کے لئے وقف کر دیا۔  
 حافظ مطیع اللہ بھی عجیب مرنج مرنجا طبیعت کے طالب علم تھے، کبھی قرأت سناتے، کبھی نعتیں،  
 کبھی غزلیں، کبھی اشعار اور کبھی حکایات اور لطائف۔ کھانا لانا، برتن دھونا، چائے پکانا، پلانا،  
 کمرے کی صفائی، الغرض کوئی بھی کام ہوتا لپک کر خود سنبھال لیتے اور اس طرح مسلسل  
 ابتدائی دو سال تک میری خدمت کرتے رہے۔ مولانا محبت الرحمن شہید کی ہدایات اور  
 سرپرستی تھی، دو سال بعد کہیں جا کر میری طبیعت نے طالب علمانہ مزاج قبول کیا۔

در اصل بتانا یہ تھا کہ اماں جی مرحومہ کے دھڑکتے ہوئے دل کی دعائیں اللہ نے  
 قبول فرمائیں، مجھے اچھے ساتھی دے دیئے، میرے استقرار کے اسباب پیدا فرمائے۔

”اماں جی مرحومہ کے سامنے جب مولانا محبت الرحمن شہید کی شفقتیں اور  
 خدمات کا ذکر کرتا تو وہ ان کے لئے ہمیشہ دعا گورہتیں۔ اماں جی مرحومہ تاکید  
 فرمایا کرتیں بیٹے! مولوی محبت الرحمن نے تمہیں سنبھالا دیا تھا، اس نے تمہاری  
 بہت خدمت کی تھی، ان کے خاندان کے ساتھ جوڑ رکھنا۔ مرحومہ ان کے لئے  
 اور ان کے خاندان کیلئے ہمیشہ دعا گورہتیں اور جب ان کی شہادت کی خبر سنی  
 تو بے قرار رہیں اور ہمیشہ ان کے لئے دعا کرتی رہتیں۔“

صرف چار کتابیں ملیں اور سماع بھی روک دیا :

نجم المدارس کلاچی میں اسباق شروع ہوئے، مجھے درجہ اولیٰ میں داخلہ ملا (اس  
 زمانے میں یہ درجے درجے نہیں ہوا کرتے تھے، اساتذہ چار کتب سے زیادہ طالب علم کو



پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے“ خوب یاد ہے جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں چار کتابیں تو باضابطہ جامعہ کی طرف سے دی گئیں اور ایک کتاب کا میں نے ”سماع“ شروع کیا اور عجیب یہ کہ اب تو دینی مدارس کے طالبان ”سماع“ کی اصطلاح سے بھی ناواقف ہیں۔ سماع سے مراد یہ ہوا کرتی تھی کہ جو کتابیں باضابطہ مدرسہ سے دی جاتیں ان میں باقاعدہ امتحان بھی دینا پڑتا تھا اور جو کتابیں سماعاً لی جاتیں تو ان کے اسباق میں شریک رہ کر سن لی جاتیں مگر طالب علم کے لئے ان کا امتحان دینا ضروری نہیں ہوتا تھا اور نہ فراغت کے وقت سند میں اس کتاب کا اندراج ہوتا۔

سیدی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کو جب میری اس حرکت کا علم ہوا تو اپنے ہاں بلایا اور فرمایا۔ بیٹے! چار کتابیں کافی ہیں، آخر مطالعہ بھی کرنا ہوگا، کلاس کی حاضری بھی ہے اور پھر تکرار بھی، پانچویں کتاب لو گے تو صلاحیتوں میں وہ نکھار پیدا نہیں ہوگا جو چار سے پیدا ہونے کے امکانات ہیں۔ میں نے حضرت کے حکم پر پانچویں کتاب کا سماع بھی ترک کر دیا۔

استاد مکرم مولانا عزیز الرحمن صاحب :

بہر حال مجھے نجم المدارس کلاچی میں سال اول میں پڑھنے کے لئے نحو میر، صرف میر، قدوری اور گلستان دی گئیں۔ حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب ”نجم المدارس کلاچی میں استاد بھی تھے اور ناظم دفتر بھی۔ کوئی چالیس، پینتالیس روپے کی تنخواہ تھی۔ بہت عمدہ اور اچھا پڑھاتے تھے۔ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کا تذکرہ بہت محبت سے کرتے، وارفتگی اور جنون کی حد تک چلے جاتے۔ ماہنامہ الحق بھی ان ہی کے نام آیا کرتا تھا..... الحق کے نام کام اور مضامین سے سب سے پہلے ان ہی کے ہاں واقفیت



حاصل ہوئی۔ اس زمانے میں ماہنامہ ”الحق“ کا کوئی آٹھ روپے سالانہ چند ہوا کرتا تھا۔ موصوف اولاً پرچہ خود دیکھ لیتے پھر مجھے پکڑوا دیتے اور مطالعہ کی تاکید فرماتے۔ اس کے بعد بعض خاص خاص مضامین کی نشاندہی کر کے ان پر تبصرہ کرتے اور مطالعہ کے بعد مجھ سے تبصرہ مطلوب ہوتا۔ بعد میں پرچہ ان کے نام آتا مگر سالانہ چندہ میں دے دیا کرتا تھا۔ اس طرح ماہنامہ الحق پر مجھے صرف مطالعاتی نہیں بلکہ مالکانہ حقوق حاصل ہو جاتے۔

کتاب پر اعراب نہیں تو کیسے پڑھوں :

مولانا عزیز الرحمن صاحب قدوری کا سبق پڑھاتے تھے۔ ایک ہفتہ سبق پڑھایا، احقر ابتدائی طالب علم تھا عبارت کب پڑھ سکتا تھا، کتاب کا متن عربی، نہ زبر، نہ زیر، نہ پیش، استاذ سے کہہ دیا میں نے یہ کتاب نہیں پڑھنی اعراب ہیں نہیں تو غلط پڑھنے والا گنہ گار ہوگا۔ ہفتہ بعد گھر گیا، اماں جی مرحومہ سے قدوری کا ذکر کیا اور صاف کہہ دیا کہ میں قدوری نہیں پڑھوں گا۔ مرحومہ کو کتاب دکھائی کہ اس میں اعراب نہیں ہیں، پڑھنے والا گنہ گار ہوگا۔ مرحومہ بڑی زیرک، سمجھدار اور ذہین خاتون تھیں، کتاب ہاتھ میں لی اور فرمایا :

”بیٹے! ابھی تو ابتداء ہے، تعلیم کا آغاز ہے، ایک روز میں تم کیسے کتاب

کے اعراب سیکھ لو گے، غلط پڑھو گے تب بھی ثواب ملے گا، درست پڑھو گے

تب بھی ثواب ملے گا۔ اپنے اساتذہ سے مشورہ کر لو، اس بہانے سبق چھوڑنے

کی اجازت نہیں دوں گی۔“

اماں جی مرحومہ نے ملاطفت نرمی، محبت اور شفقت سے میرا عذر لنگ ٹال دیا جو

وسوسہ تھا نکال دیا، جو واہمہ تھا ازالہ فرمایا۔ ہفتے کے روز ڈھیروں دعاؤں سے نوازا اور پھر

کلاچی کے لئے رخصت کر دیا ڈیوڑھی تک ساتھ آئیں، جب تک گھر کے سامنے کی کشادہ گلی



کے نکر تک میں نظر آتا تھا مرحومہ کی مجھ پر نظر تھی۔ کمال شفقت و محبت اور دانائی و فرزانگی سے مرحومہ نے مجھ نالائق کی شیطنت اور تحصیل علم سے پسپائی کی راہ روک لی اور مزید آگے بڑھنے کے مواقع عنایت فرمائے و اجرہا علی اللہ۔

## اقبال کی نظم :

آج صبح کاغذ قلم ہاتھ میں لیا اور لکھنے بیٹھا ہی تھا کہ برادر م مولانا جمیل احمد بالا کوٹی (مہتمم جامعہ حنفیہ تعلیم القرآن سرائے عالمگیر) کی وقیع تصنیف "ماں کی عظمت" موصول ہوئی۔ سرسری نظر دیکھنے کی نیت سے الٹنے پلٹنے لگا مگر کتاب کب چھوڑنے والی تھی۔ ہر صفحہ ہر عنوان ہر مضمون اتنا دلچسپ، اثر آفرین کہ پڑھے بغیر نہ رہا گیا۔ (الحمد للہ! کہ اب یہ کتاب مولانا موصوف نے القاسم اکیڈمی کو دیدی ہے، جسے اکیڈمی نے عمدہ زیور طباعت سے آراستہ کر کے چھاپ دیا ہے) صفحہ ۹ پر اقبال کی یہ نظم پڑھی تو وجد آفرین کیفیات سے معمور ہوا۔ یوں تو بار بار پڑھی تھی مگر آج جب والدہ نہ رہی اس کی گود محبت، شفقت اور دعائیں اور سایہ رحمت نہ رہا، اس نظم کی واقعیت دل کی دھڑکن بن گئی۔ لاہوری قلندر ماں سے مخاطب ہیں.....

تربیت سے تیری میں انجم کے ہم قسمت ہوا  
 گھر میرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا  
 دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات  
 تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات  
 عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی  
 میں تیری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی



تخم جس کا تو ہماری کشت جاں میں بو گئی  
 شرکت غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی  
 دوستو! اماں جی مرحومہ و مغفورہ کب بھلائی جاسکتی ہیں۔ ان کی شفقتیں ستاتی  
 ہیں۔ اس کی دعائیں قدم قدم پر سہارا تھیں۔ جب سے ان کا سایہ رحمت رخصت ہوا تب  
 سے سنبھل سنبھل کر قدم رکھنے کے باوجود جو قدم قدم پر مشکلات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ  
 شروع ہو جاتا ہے، تب پتہ چلتا ہے کہ اماں جی مرحومہ و مغفورہ کی مستجاب دعاؤں والا سہارا  
 کھسک گیا ہے۔ ہم گنہ گار اب اماں جی کو کب واپس لاسکتے ہیں۔ مکان ہے مگر مکین نہیں  
 ہے۔ مدرسہ ہے جامعہ ابو ہریرہ ہے مگر اس کا سرچشمہ دعا بند ہو چکا ہے۔ آج عملاً والدہ کی  
 زیارت و دعا اور ملاقات سے محروم ہو چکے ہیں مگر تخیل کی دنیا میں اب بھی ساتھ رہتی ہیں۔

### ایک مقدس لفظ ”ماں“ کی تشکیل :

ماں کے وجود سے جتنا بھی پیار کرو کم ہے۔ ماں کی محبت چٹان سے زیادہ مضبوط  
 اور پھول سے زیادہ خوبصورت ہے۔ جس نے ماں کے وجود کو دنیا میں اہمیت نہ دی وہ کبھی  
 دنیا میں عزت نہیں پاسکتا۔ جس کی ماں نہیں وہ بدنصیب شخص ہے اور جس نے ماں کے  
 ہوتے ہوئے اس کے وجود کا احساس نہ کیا تو وہ دوزخی ہے۔ گلاب جیسی خوشبو چودھویں  
 جیسی چاندنی، فرشتوں جیسی معصومیت، سچائی کا پیکر لازوال محبت یہ تمام یک جان ہو جائیں  
 تو ایک مقدس لفظ بن جاتا ہے ”ماں“۔

### مشاہیر کے اقوال :

مولانا جمیل احمد بالا کوٹی نے صفحہ ۸۹ پر مشاہیر کے اقوال نقل کئے ہیں، ہر قول

ایسا کہ آب زر سے لکھنے کے قابل۔



- ☆ سخت سے سخت دل کو ماں کی پر نرم آنکھوں سے موم کیا جاسکتا ہے (علامہ اقبال)
- ☆ اگر مجھے میری ماں سے جدا کر دیا جائے تو میں پاگل ہو جاؤں گا (حکیم لقمان)
- ☆ ماں کے بغیر گھر قبرستان کی طرح لگتا ہے (اورنگ زیب عالمگیر)
- ☆ ماں اور پھول میں مجھے کوئی فرق نظر نہیں آتا (الطاف حسین حالی)
- ☆ ماں وہ صدف ہے جس کے سینے میں حقیقی محبت کا چمکدار موتی چھپا ہوا ہے۔ بڑا بدنصیب ہے وہ شخص بوڑھے والدین کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کر سکا۔ ماں سے ہمدردی کی توقع رکھنے کے بجائے ماں کا ہمدرد ہونا چاہئے۔ (ارسطو)
- ☆ بچے کے لئے سب سے اچھی جگہ ماں کا دل ہے خواہ بچے کی عمر کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ (شکسپئر)

☆ ماں خدا کا جلوہ اور خدا کی خوشی ہے۔ اس کو خوش رکھنا ضروری ہے۔

(انا طول فرانس)

☆ سب سے خوبصورت اور میٹھا پیار ماں کا ہوتا ہے (چارلیس ڈکنز)

☆ ماں کی دعا مایوسیوں میں روشنی کا مینارہ ہوتی ہے (مظہر)

مولانا بابالا کوٹی لکھتے ہیں :

ماں کا دوسرا نام محبت ہے۔ وہ محبت جو اپنے بچوں پر نچھاور کرتی ہے۔ ماں پھول کی طرح پیاری ہوتی ہے۔ ماں کا پیار دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے۔ ماں اللہ کا بہترین تحفہ ہے۔ ماں اپنی اولاد کا سارا دکھ سینے میں اتار لیتی ہے اور انہیں خوشیاں دیتی ہے۔ ماں کا ہر روپ خوب دل کش اور حسین ہوتا ہے۔ ماں کے چہرے پر ہر وقت محبت رہتی ہے۔ ماں کسی سے نفرت نہیں کرتی۔ ماں کی محبت سمندر کی طرح وسیع ہوتی ہے۔ ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔ ماں عظیم ہے۔ ماں اپنے بچوں کو اخلاق سکھاتی ہے اور باپ انہیں



تعلیم دلواتا ہے۔ ماں سے محبت کرنا اللہ سے محبت کرنا ہے۔ ماں کے پیار میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ بھٹکے ہوئے انسان کو سیدھے راستے پر لاسکتی ہے۔ جس طرح باغ میں گلاب کا پھول نہ ہو تو باغ خوبصورت نہیں لگتا اسی طرح جس گھر میں ماں نہ ہو وہ گھر گھر نہیں لگتا۔

**ماں کی خدمت کی برکت سے قلب انوار الہی سے معمور ہو گیا :**

حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ میں نے ماں کی خدمت سے بڑھ کر کسی شے سے فیض نہیں پایا۔ ایک رات والدہ صاحبہ نے مجھ سے پانی مانگا میں نے کوزے میں دیکھا وہ خالی تھا پھر گھڑا دیکھا تو اس میں پانی نہ پایا پھر دوڑتا ہوا ندی سے پانی لایا۔ اسی اثناء میں والدہ صاحبہ سو گئیں تھیں۔ میں پانی کا کوزہ ہاتھ میں لیے ساری رات کھڑا رہا کہ وہ بیدار ہوں اور میں پانی پیش کروں۔ سخت سردی کا موسم تھا میرا ہاتھ ٹھٹھر گیا لیکن والدہ صاحبہ کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ جب بیدار ہوئیں مجھے اس حالت میں دیکھ کر بے حد خوش ہوئیں اور پانی پی کر بے شمار دعائیں دیں۔ اس دن سے میں نے دیکھا کہ میرا قلب انوار الہی سے معمور ہو گیا۔

**نجم المدارس کلاچی میں سال اول :**

گذشتہ معروضات میں بات میری کلاچی کے مدرسہ عربی نجم المدارس میں داخلے اور ابتدائی تعلیم کے بالکل ابتدائی مرحلے کی بات چل رہی تھی۔ آپ اسے آغاز کار بھی کہہ سکتے ہیں، پہلا امتحانی مرحلہ بھی اور گھر سے کوئی اسی (۸۰) میل دور طویل مسافرت کا پہلا آزمائشی دور بھی، میری طبعی افتاد میرا کھڑپن بے دلی بے رغبتی اور طویل مسافرت سے طبیعت کی عدم مناسبت کا اماں جی مرحومہ و مغفورہ کو پہلے سے اندازہ تھا، لہذا وہ اپنے دوروزہ ختم القرآن کے ہمیشہ کے معمول میں میری استقامت، تحصیل علم کی تکمیل اور مسافرت میں دل لگ جانے کی دعا کارو حانی اور کامیاب نسخہ تو استعمال کرتی ہی رہتی تھیں، مگر عملاً مادی



اور عادی طریقوں کے اپنانے میں بھی اس نے اپنے وسائل کی حد تک کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

### اماں جی مرحومہ کے خطوط :

ہر تین روز کے بعد اپنے مبارک ہاتھوں سے خط تحریر فرماتیں۔ فاؤنڈیشن قلم کہاں، بال پن بھی دستیاب نہیں تھا۔ کچی پنسل جس کی نب بھی وہ خود بناتیں، استعمال میں لائیں، کاغذ کے لئے میرے سکول کے ایام کی کاپیاں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان میں کہیں سفید صفحہ مل جاتا تو پھاڑ لیتیں، لفافہ بھی اپنے ہاتھ سے بناتیں گوند کب میسر تھی، گوند کی جگہ گندھا ہوا آٹا استعمال فرماتیں۔ بہر حال دردِ دل سے جو دل میں آتا تفصیل سے لکھتیں۔ علم کی فضیلت، میری مسافرت میں طوالت پر تشجیح و تبریک اور اظہارِ مسرت، اسباق پر ہمہ تن توجہ کی تلقین ہوتی۔ وہ کتنے پیارے جملے ہوتے تھے، کیسی میٹھی تحریر ہوا کرتی تھی، اس وقت بھی یہ ذہن تھا کہ یہ خطوط تبرکات ہیں، آخرت میں نجات کا وسیلہ ہیں، تاریخ کا حصہ ہیں، ایک جنتی خاتون کی ہدایات ہیں، ایک مظلومہ زخم خوردہ بیوہ مگر بہادر، جرأت مند، غیور اور دیندار خاتون کی دل کی دھڑکنیں ہیں، خطوط کے لئے تھیلا بنا لیا تھا، اس میں سارے خطوط محفوظ کر لیا کرتا تھا۔ پھر اماں جی مرحومہ و مغفورہ کے خطوط گاہے گاہے اٹھا کر اپنی طالب علمی کے ابتدائی مرحلوں کی یادیں تازہ کرتا اور وہ حالات پڑھ پڑھ کر اب کے حالات کا جائزہ لیتا تو ”ایاز قدرِ خود شناس“ کی کیفیات سے ایمان میں اضافہ ہوتا۔

گذشتہ سال جب میرا ذاتی کتب خانہ جامعہ ابو ہریرہ منتقل ہوا تو اسی دوران میری بے احتیاطی اور کارکنوں کی بے خیالی سے وہ عظیم ذخیرہ طاق نسیان میں چلا گیا ہے اور میرا غالب خیال یہ ہے کہ میں نے اسے اس قدر محفوظ رکھا ہے کہ خود حفاظت کرنے والے سے بھی محفوظ ہو گیا ہے، خدا کرے کہ وہ عظیم ذخیرہ مل جائے تو قارئین کو بھی مرحومہ کی



تحریروں سے ایمانی حرارت اور دینی حمیت کی چاشنی میں شریک کرنے کی سعادت حاصل ہو جائے گی۔

سفر بھی امتحان ہوتا ہے :

اپنے ابتدائی اور بالکل ابتدائی طالب علمی کے ایام میں اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے خطوط تحریر فرمائے جن کی نقل میری ذاتی ڈائری میں محفوظ ہے، فرمایا :

”بیٹے! اللہ کے راستے میں نکلے ہو اللہ کے راستے میں ہمارا گزارا

ہو جائے گا، تمہاری بہنیں ہر وقت اللہ سے دعا کرتی ہیں، قرآن پڑھتی ہیں، دعا

کرتی ہیں۔ نماز پڑھتی ہیں دعا کرتی ہیں، سوتی ہیں دعا کرتی ہیں اور جب اٹھتی

ہیں دعا کرتی ہیں کہ مولائے کریم! ہمارے بھائی کو کامیابی دے، کامرانی دے،

بیٹے! اخراجات میں اور سفر کے خرچوں میں بہت خیال کرنا، آخر ہمارا تو اللہ ہی

ہے مگر دنیا تو سہاروں سے چلتی ہے، اللہ نے تم ایک بیٹے کو تین بہنوں اور ایک

بوڑھی والدہ کا سہارا بنایا ہے، تم خیال نہیں کرو گے تو کون کرے گا۔ سفر امتحان

ہوتا ہے، میں دعا کرتی رہتی ہوں کہ اللہ تمہیں امتحان میں کامیاب کرے، کسی

انسان پر، کسی دوست پر اعتبار نہ کرنا، کسی کے ہاتھوں کی چیز نہ کھانا، کسی کے

ساتھ لمبے سفر یا جنگلوں یا چکر پر نہ جانا۔ بیٹا! میرے لئے دعا کرتے رہنا،

اپنی بہنوں کے لئے دعا کرتے رہنا، بیٹا! شہادت، رحمت، صدر رحمت، صدر رحمت،

سارے لوگ کہتے ہیں کہ تمہارا بیٹا اچھے راستے پر چلا ہے، تمہاری نیکی کی وجہ سے

تمہارے والد کی اور والدہ کی الغرض سارے خاندان کی نیک نامی ہوئی ہے۔“

اور والسلام کے بعد آخر پر ایک جملہ لکھتیں اور کتنا پیارا جملہ ہزاروں بادشاہتیں



اس ایک جملہ پر قربان خطوط کے آخر پر لکھا کرتیں۔ ”والسلام تمہاری اپنی والدہ بقلم خود“۔

قرآن ہی اصل علم ہے :

خط میں اپنے مبارک ہاتھوں سے تحریر فرماتی ہیں :

”بیٹا! میں نے جو ترجمے والا قرآن تمہیں دیا ہے پڑھا کرو اور دو ترجمہ دیکھا

کرو۔ اللہ علم بھی دے گا، یقین بھی بنے گا۔ کسی استاذ سے قرآن کا ترجمہ بھی

شروع کر دو گے۔ قرآن کا ترجمہ نہ ہو تو علم کا کوئی فائدہ ہی نہیں، قرآن ہی تو

اصل علم ہے۔“

ترجمہ قرآن میں پہلی شرکت :

اماں جی مرحومہ کے خط کے بعد میں نے شیخ التفسیر، استاذ العلماء حضرت مولانا

قاضی عبدالکریم مدظلہ کے درس قرآن میں باقاعدہ طور پر شرکت شروع کر دی۔ موصوف

ہدایۃ النحو اور اس سے اونچے درجات کے طلبہ کو ترجمہ میں شریک فرمایا کرتے تھے۔ میں

مبتدی تھا، نحو میرا طالب علم تھا، مجھے باقاعدہ اور باضابطہ تو ترجمہ کی کلاس میں شرکت کی

اجازت نہ ملی مگر پھر بھی گا ہے گا ہے بلکہ اکثر بیٹھ جایا کرتا تھا۔

حضرت الاستاذ سے قرآنی آیات کے مطالب، تشریح و توضیح، امثلہ اکابر کے

واقعات و حکایات خاص کر اکابرین علماء دیوبند کے تذکروں کے سننے کے ساتھ علم سے شوق،

تحصیل علم میں رغبت کی انگھٹ ہوتی اور پہلے سال ہی میں ترجمہ قرآن سے کم سے کم فائدہ

یہ ہوا کہ خود مجھے یقین ہو گیا کہ میرا راستہ درست ہے، میرا مستقبل روشن ہے اور مساعی

بار آور اور ثمر آور ہیں۔ واجرہم علی اللہ۔



## اماں جی مرحومہ نے امتحان لیا :

اماں جی مرحومہ و مغفورہ کو جب گھر جا کر بتایا کہ میں ترجمہ قرآن کی کلاس میں باقاعدہ شریک ہوتا ہوں تو فرمایا کہ اب ہمیں بھی بتانا ہوگا اور جو کچھ پڑھا ہے اور جو کچھ سنا ہے سنانا ہوگا مجھے تقاریر سننے کا ویسے بھی شوق تھا۔ جب کلاچی گیا تو جمعہ کے روز سب سے پہلے میں استاذ مکرم حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ کا خطبہ جمعہ سننے کے لئے صف اول میں بیٹھ جایا کرتا تھا۔ خطبہ جمعہ سے فکری تشکیل اور ذہنی تعمیر کی آبیاری ہوتی تھی، احقر نے حضرت الاستاذ حضرت قاضی صاحب موصوف کے خطبات جمعہ سے بہت کچھ یاد بھی کر رکھا تھا۔ اماں جی کے مطالبہ پر سنا دیا، بہت خوش ہوئیں، ڈھیروں دعائیں دیں اور پھر تاکید فرمائی کہ حضرت قاضی صاحب کے دامن کو نہ چھوڑنا اور ترجمہ قرآن پڑھتے رہنا۔

## عشق رسول ﷺ :

انہی دنوں حضرت الاستاذ موصوف سے کہیں شاعر اسلام امین گیلانی صاحب کی نظم سنی حضرت کو بہت پسند تھی۔ میں نے بھی نوٹ کر لی (جواب تک میری ڈائری میں حضرت قاضی صاحب کی حوالے سے محفوظ ہے) اور پھر یاد کر لی، ہر وقت گنگنایا کرتا تھا، اماں جی مرحومہ و مغفورہ کو سنائی تو فرمایا، بیٹے! اس کا معنی بھی بیان کرو اور تشریح بھی۔ احقر سے جو کچھ بن پڑا سنا دیا اگرچہ اماں جی مرحومہ و مغفورہ خوب جانتی تھیں اردو بھی اچھی تھی اور مطالعہ بھی خوب تھا مگر وہ میرے منہ سے نکلوانا اور میرا علمی حدود اربعہ جاننا چاہتی تھیں، میں نے نظم بھی سنائی اور اپنے فکر و تخیل اور ذہن کے مطابق اس کی کچھ تشریح بھی کر دی، اماں جی مرحومہ بہت خوش ہوئیں اور مجھ گنہ گار سے اسے مستقبل کے توقعات بندھنے لگے اور پھر جب بھی چھٹی پر گھر جاتا، اماں جی مرحومہ کا مطالبہ ہوتا کہ مجھے وہی نعت



سناؤ میں گنہگار یہ مطالبہ پورا کرتا، یہ نظم سیرت سے متعلق ہے۔ اس سے اماں جی مرحومہ و مغفورہ کا سیرت رسول ﷺ اور عشق رسول ﷺ سے تعلق خاطر، اردو ادب سے واسطہ اور محبوبِ دو عالم ﷺ سے محبت کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے۔ لیجئے! آپ بھی وہ نظم سن لیں اور اپنا ایمان تازہ کریں۔

## تم آگے تو بہار آگئی چمن کی طرح :

یہی جہاں جو ویران تھا پہلے بن کی طرح  
 تم آگے تو بہار آگئی چمن کی طرح  
 سخن کسی کا نہیں ہے تیرے سخن کی طرح  
 نہ انجمن ہے کوئی تیری انجمن کی طرح  
 خداگواہ ہے تمہارے ہی خیر مقدم کو  
 یہ کائنات سجائی گئی دلہن کی طرح  
 ضروران سے میں دیتا تیرے بدن کی مثال  
 جو پھول ہوتے ملائم تیرے بدن کی طرح  
 مہک گئیں راہیں جدھر سے تم گذرے  
 تمہارے جسم کی خوشبو ہے یاسمن کی طرح  
 تیرا وجود ہے اک ماہتاب کی صورت  
 نبی تمام ہیں تاروں کی انجمن کی طرح  
 جو شعر تیری صفت میں ہو کیوں نہ دے خوشبو  
 گلاب و لالہ و نسرين و نسترن کی طرح



## قصیدہ طوبی :

احقر دسویں جماعت میں تھا اپنے ایک دوست عبدالمجید جامی (آجکل وہ جید عالم، ایک مدرسہ کے مہتمم اور علاقہ کے خطیب ہیں) جو ملتان قاسم العلوم میں طالب علم تھے۔ میرے آبائی گاؤں چودھوان میں میرے ہاں تشریف لایا کرتے تھے ایک دو روز میرے ہاں قیام بھی فرمایا.....

..... ایک مرتبہ جب تشریف لائے تو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد موسیٰ خان روحانی بازی جامعہ اشرفیہ لاہور کا مشہور قصیدہ ”قصیدہ طوبی“ بھی ساتھ لائے احقر اس وقت اتنا دینی شعور نہیں رکھتا تھا مگر عمدہ طباعت، رنگین صفحات اور خوبصورت کتاب کے پیش نظر اسے حرز جان بنا لیا، اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے مجھ سے دیکھا تو لے لیا، آغاز میں فضائل پڑھے اور عامل بننے کے طریقے پڑھے تو فوراً اپنے عمل میں لائیں، چند دنوں میں اماں جی کو سارا قصیدہ یاد ہو گیا، جب کوئی مشکل پیش آتی، کوئی حاجت ہوتی وہی قصیدہ لے کر بیٹھ جاتیں، خدا کی ذات پر توکل کر کے پڑھتی رہتیں، مشکلات حل ہو جاتے، بند دروازے کھل جاتے، میرے انہی طالب علمی کے بالکل ابتدائی ایام میں نجم المدارس کلاچی ایک خط میں تحریر فرماتی ہیں۔

## جب اللہ ہے تو غم کا ہے کا :

”بیٹا! کوئی فکر نہ کرو، ہمارا تو غم ہی نہ کرو، رازق بھی اللہ ہے اور مالک بھی

اللہ ہے، تمہارا باپ بھی ہمیں اور تم کو سب کو اللہ کے حوالے کر کے چلا گیا۔

جب اللہ ہی ہے تو پھر غم کیوں کرتے ہو، قصیدہ طوبی، میرے معمول میں ہے،

صبح و شام اور ہر وقت اپنے اللہ کو قصیدہ میں لکھے عربی میں اسماء الحسنیٰ کے



ناموں سے پکارتی ہوں، قصیدہ کی دعا ساری کی ساری مجھے یاد ہوگئی ہے، اللہ پاک آپ کو ضائع نہیں کرے گا، ہاں! گندے لوگوں کی مجلس اور گفتگو سے اپنے آپ کو بچاتے رہو۔

والسلام تمہاری اپنی والدہ بقلم خود

## سراپا مجسمہ دعا :

اماں جی مرحومہ و مغفورہ کو دعا سے خاص مناسبت تھی، بندوں کے مقامات میں سب سے بلند عبدیت کا مقام ہے اور سیدنا حضرت محمد ﷺ اس مقام کے امام یعنی اس وصفِ خاص میں سب پر فائق ہیں دعا چونکہ عبدیت کا جوہر اور خاص مظہر ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے وقت بندے کا ظاہر و باطن عبدیت میں ڈوبا ہوتا ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ کے احوال و اوصاف میں غالب ترین وصف اور حال دعا کا ہے اور امت کو آپ کے ذریعہ روحانی دولتوں کے جو عظیم خزانے ملے ہیں ان میں سب سے بیش قیمت خزانہ ان دعاؤں کا ہے جو مختلف اوقات میں اللہ تعالیٰ سے خود آپ ﷺ نے کیس یا امت کو ان کی تلقین فرمائی۔ اماں جی مرحومہ کو مسنون دعاؤں اور دعائیہ طبیعت کا قدرت نے حصہ وافر عنایت فرمایا تھا۔ وہ تو سراپا دعا ہی دعا تھیں۔ ”صدر رحمت، صدر رحمت“ مرحومہ کا تکیہ کلام تھا، ناراض ہوتیں تب بھی، راضی ہوتیں تب بھی صدر رحمت کہہ کہہ کر دعاؤں سے نوازتی رہتیں۔

## دو شخصیتیں :

میں نے اپنی زندگی میں دو شخصیتیں ایسی دیکھی ہیں جن کو سراپا دعا یا مجسمہ دعا سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور جن کی والہانہ دعا کے انداز سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کی دعاؤں پر قبولیت کی مہر لگ رہی ہیں۔ ان میں ایک شخصیت محدث کبیر قائد شریعت استاذی و استاذ



العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہ بانی و مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی ذات بابرکات تھی جن کی صحبت، معیت اور قربت میں مجھ گنہ گار کو دس (۱۰) سال کی طویل خدمت کی سعادت اور شب و روز حاصل ہوئے دوسری شخصیت اماں جی مرحومہ و مغفورہ کی تھی جس کی ہر ادا دعا تھی اور جس کے نقد ثمرات آج آنکھوں کے سامنے ہیں۔

### مولانا سید عبدالعزیز شاہ کا جلسہ :

میری دینی طالب علمی کا دوسرا سال تھا کہ ربّ قدیر نے میری تعلیم و تربیت کے تکوینی امور میسر فرمانے شروع کر دیئے۔ نجم المدارس کلاچی میں اپنے ایک بزرگ دوست حضرت مولانا سید عبدالعزیز شاہ صاحب تشریف لایا کرتے تھے، شاہ صاحب درجہ موقوف علیہ تک نجم المدارس میں پڑھتے رہے، دورہ حدیث دارالعلوم حقانیہ میں کیا۔ واپس آ کر علاقہ میں خطابت اور دعوت و تبلیغ کے کام میں مصروف ہو گئے، بولتے بڑا میٹھا ہیں، الفاظ چمچے تلے، بات سلیقے کی اور بڑی پیاری کرتے ہیں اور جب انداز گفتگو خطابت میں ڈھل جاتا ہے تو دلوں کو موہ لیتے ہیں۔ میرے ساتھ شفقت، محبت کا تعلق تھا اور وہ آج تک قائم ہے، بیماری اور علالت میں بھی جامعہ ابو ہریرہ تشریف لاتے ہیں اور جب میری ان کے ہاں حاضری ہوتی ہے تو فرط مسرت اور وفور جذبات سے ان کے آنسو چھلک پڑتے ہیں، بہر حال اماں جی مرحومہ و مغفورہ سے پہلے سے مشورہ کیا ہوا تھا، شاہ صاحب سے اپنے آبائی گاؤں چودھوان کے لئے وقت مانگا تو اجازت دے دی بلکہ پہلے سے تیار بیٹھے تھے۔ جامع مسجد چودھوان میں تاریخی جلسہ ہوا، گاؤں کے اکابر علماء حضرت مولانا مفتی عطاء محمد مرحوم، حضرت مولانا عبدالحق مرحوم (فاضل دیوبند)، مولانا عبدالعزیز، مولانا رفیع الدین، مولانا عبدالمنان مرحوم، مولانا عبدالحمید خان ارشد مرحوم (مصنف نصرۃ القرآن)،



سب نے میری دعوت قبول فرمائی رات کو کھانے میں مہمان کے ساتھ شریک رہے۔ صبح جلسہ کی سرپرستی فرمائی جبکہ صدارت حضرت مولانا مفتی عطا محمد صاحب مرحوم نے کی، صبح 10 بجے دن کا وقت تھا جو ضروری کاموں، کاروبار اور مصروفیات کا وقت ہوتا ہے مگر پھر بھی لوگ جوق در جوق شریک ہوئے۔ حضرت شاہ صاحب کے اندازِ خطابت نے لوگوں کو مسحور کر لیا تھا اور مجمع پر چھا گئے تھے، احقر نے ٹوٹی پھوٹی طالب علمانہ تعارفی تقریر کی، طالب علمی کا دوسرا سال تھا، کیا تقریر ہوگی مگر لوگوں کو پسند آئی، اماں جی نے اپنے گھر میں لاؤڈ سپیکر پر سنی، اہل محلہ نے گھر آ کر اماں جی کو میری تقریر کی مبارک باد دی، اماں جی کا اپنا حوصلہ بڑھا، تو میرا بھی حوصلہ بڑھایا۔

میں تو اللہ کا نام لیتی ہوں :

اور فرمایا ”بیٹے“ اللہ نے تمہیں اچھے کام پر لگا دیا ہے، سب لوگ آ آ کر مجھے مبارکباد دیتے ہیں، اور مجھے کہتے ہیں کہ تو نے کونسے عملیات اور وظیفے پڑھے ہیں کہ تمہارا بیٹا نیکی کی راہ پر چل پڑا ہے میں کہتی ہوں میں تو اللہ کا نام لیتی ہوں پھر اللہ کا نام انہیں بھی بتاتی ہوں ”بیٹا! تمہارے دینی کاموں سے بہت خوش ہوتی ہوں، مولانا عبدالعزیز شاہ کا بیان بہت اچھا تھا، لوگ بہت خوش ہوئے، نیک عمل کی ترغیب چلے گی، بیٹا! اگر آج میرے دس بیٹے ہوتے ان کی شادی ہوتی تب بھی مجھے اتنی خوشی حاصل نہ ہوتی جو آج کے دینی تبلیغی پروگرام اور تمہاری تقریر سے حاصل ہوئی ہے۔“

ابتدائی تقریر، اجتماع اور اماں جی کی دعا :

نجم المدارس کلاچی میں تعلیم کا یہی دوسرا سال تھا کہ جب چھٹی پر اپنے آبائی



گاؤں جانا ہوا تو اپنے قریبی احباب نے کہا، عبدالقیوم! عجیب بات ہے تم عالم بن رہے ہو اور کتنا وقت ہوا کہ تم لوگ گاؤں چھوڑ کر سفر پر ہو، مگر ہمیں تو آپ کے علم و سفر اور عالم بننے نے کچھ فائدہ نہیں پہنچایا، ان دوستوں کا اخلاص، طلب، تڑپ، محبت دیکھی اور کچھ اپنے اندر کی خواہش بھی کام لائی، میں نے عرض کیا، کیوں نہیں تمہیں بھی فائدہ ہوگا اور عامۃ المسلمین کو بھی، تم لوگ جلسہ بنا لو، میری تقریر کا اعلان کر دو، لوگوں کو جمع کرو، کوئی نعت خواں لاؤ میں تقریر کر دوں گا سب کو فائدہ ہوگا۔

### طالب علمانہ شوخیاں :

اب کیا پدی کیا پدی کا شور با، مگر طالب علمانہ شوخیاں تھیں، پس منظر میں اماں جی مرحومہ کی دعائیں تھیں۔ میرے دوستوں نے سچ مچ جلسہ کر دکھایا جن میں حافظ شیر زمان صاحب، ان کے بھائی جمعہ خان، حافظ اللہ وسایا، حافظ محمد عبداللہ اور حافظ امیر محمد صاحب پیش پیش تھے۔ حافظ شیر زمان کے والد مرحوم بزرگ انسان تھے علماء و طلبہ کے قدردان تھے خالقداد ان کا نام تھا، غریب و فقیر اور درویش منش انسان تھے، اپنے ہاتھ پاؤں کی کمائی سے پورے خاندان کی کفالت کرتے تھے، علماء کا اکرام اور دعوتیں بھی کیا کرتے تھے۔ احقر ابتدائی درجے کا طالب علم تھا ان کا کلال خانہ (جہاں وہ بڑھاپے میں اپنے ہاتھوں سے مٹی کے برتن بناتے تھے) میرا دوسرا گھر بن چکا تھا، مجھے ان کے ہاں پیار ملتا، محبت، شفقت، حوصلہ افزائی اور دعائیں ملتی تھیں اور ان کے مٹی کے برتن بنانے سنوارنے کے منظر سے لطف اندوز ہوا کرتا تھا۔

جب انہیں معلوم ہوا کہ آج میری تقریر ہونی ہے تو انہوں نے میری اور میرے دوستوں کی دعوت کا اہتمام کیا، شہر کے علماء کو بھی مدعو کیا۔ میں نے یہ منظر دیکھ کر دل ہی دل میں کہا کہ میں واقعہ کوئی بڑا کام کرنے والا ہوں، حوصلہ بڑھا، تشجیح ہوئی اور اسی محلہ کی مسجد



”جتاں والی“ میں میری تقریر کا اعلان کر دیا گیا۔ اُس زمانے کی روایت کے مطابق ڈھنڈورچی نے بازار میں ڈھنڈورا پیٹا، ساتھیوں نے اپنے ہاتھوں سے اشتہارات لکھ کر بازار میں لگائے اور میں تقریر کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔ اماں جی مرحومہ و مغفورہ کو علم ہوا تو بے حد مسرور ہوئیں اور سراپا ڈعا بن گئیں۔

### اپنے ایک خاندانی بزرگ کی بھبتیاں :

عشاء کے بعد جلسہ منعقد ہوا، نماز ختم ہوئی تو بہت بڑا اجتماع ہو گیا تھا، تعلیم یافتہ طبقہ، نوجوان، دیندار لوگ، اور بعض ذی اثر معززین کو بیٹھے ہوئے دیکھ دیکھ کر میرے رنگ بدلنے لگے، ہونٹوں پر جھرجھری بندھ گئی، ایک کونے پر نظر پڑی تو اپنے ایک بہت قریب کے خاندانی بزرگ کو بیٹھے ہوئے دیکھا جو نہ میری طالب علمی تسلیم کرتے تھے اور نہ میری کسی علمی و دینی حیثیت کو مانتے تھے، میری ہر بات کو مبتدعین کے زمرہ میں ڈال کر پھلجھڑیاں اڑایا کرتے تھے۔

### اندازِ بیاں :

جلسہ کی باقاعدہ کارروائی تلاوت کلام پاک سے شروع ہوئی، نعتیہ کلام سنایا گیا، اور مجھے تقریر کی دعوت دی گئی۔ تقریر کے لئے کھڑا ہوا، خطبہ مسنونہ پڑھا اور تقریر شروع کی، ابتداء میں بزدلی تھی، رعب تھا، ہونٹ خشک تھے، آنکھیں پھر رہی تھیں اور اب جو کھڑے ہو کر بات شروع کی تو دلیری اور جرأت تھی، مضامین اور خیالات قطار باندھے سامنے کھڑے تھے، الفاظ ایک دوسرے سے متعاقب چلے آ رہے تھے، یوں محسوس ہوتا تھا جیسے گلے کی گراریاں کھل گئی ہیں۔ سامعین کا جو حال بھی ہو سو ہو خود مقرر کو اپنی تقریر سے کام و دہن کی لذت محسوس ہو رہی تھی۔ بعد کے تاثرات سے پتہ چلا کہ یہ تقریر خود بخود لوگوں کی



سماعت میں اترتی چلی جا رہی تھی، جلسہ ختم ہوا، تاثرات یہ تھے کہ تقریر کامیاب رہی، اس وقت مجھے تو پندار بہت زیادہ تھا مگر اب معلوم ہوا کہ ان پڑھ جاہلوں میں مجھے ابتدائی تعلیم کی کچھ شدہ بدھ حاصل تھی جسکی یہ تقریر تھی۔

دورانِ بیان اماں جی کی توجہ و دُعا :

ہاں مگر اصل بات جس کے لئے یہ ساری کہانی سنائی گئی وہ یہ ہے کہ اماں جی مرحومہ و مغفورہ بھی محلہ کی ایک خاتون کو ساتھ لے کر مسجد کی دیوار کی اوٹ میں تشریف فرما تھیں۔ اماں جی مرحومہ نے بتایا :

”بیٹا! جب میں نے لوگوں کا ہجوم دیکھا تو میں دل ہی دل میں دُعا کر رہی تھی ”الہی“ میرے بیٹے کو شرمندہ نہ کرنا، ان کے بیان میں برکت عطا فرما، حوصلہ بڑھا دے، بیٹا! پہلی بار تمہاری تقریر سنی تم بولتے جاتے تھے اور میں دُعا کرتی جاتی تھی، کہیں بھول نہ ہو جائے، زبان لڑکھڑانہ جائے، کہیں رُک نہ جائے۔ بیٹے! تم نے تقریر ختم کی تو خواتین مجھ پر مبارکباد کیلئے ٹوٹ پڑیں اور مجھے اسی وقت تمہاری محنت کی قیمت وصول ہو گئی۔

واپسی پر راستے میں لوگوں کو بھی یہ کہتے ہوئے سنا کہ عبدالقیوم اچھا بولتا ہے اور یہ بھی کہتے جاتے تھے کہ والدین کا اکلوتا بیٹا ہے، گویتیم ہے، مگر ماں کی دُعاؤں نے اسے رنگ دیا ہے۔“

قارئین کرام! آپ نے دیکھا پس منظر میں اماں جی مرحومہ کی توجہات اور دُعا میں تھیں کہ مجھے ڈھارس بھی ملتی رہی، جرأت بھی، عزت بھی اور آبرو و اکرام بھی۔

نمازِ عید سے قبل تقریر کیلئے مساعی :

حافظ شیر زمان، حافظ امیر محمد کا ذکر آیا تو مجھے اُن دوستوں کی ایک اور ادا بھی یاد



آگئی اور اماں جی مرحومہ و مغفورہ کا پڑھایا ہوا سبق بھی، وہ یہ کہ اُس جلسہ کے بعد گاؤں میں لوگوں کی مجھ سے محبت ہوگئی، احباب کا اعتماد بڑھ گیا۔ میرے یہ دوست چاہتے تھے کہ عید کے موقع پر بھی میری تقریر کرادیں یہ اُس دور کی بات ہے جب پورے گاؤں کی عید گاہ ایک تھی اور شہر کے تمام علماء کو باری باری تقریر کا موقع دیا جاتا تھا۔ میرے ساتھیوں نے اس موقع پر میری تقریر کے لئے تگ و دو شروع کر دی اور ذمہ دار خطیب کے پاس پہنچ گئے اور اُن سے کہہ دیا کہ ہمارے ساتھی عبدالقیوم کو نماز عید سے قبل چند منٹ تقریر کا موقع دیدیا جائے تو اسکی حوصلہ افزائی بھی ہو جائے گی اور ہم نوجوانوں کی نمائندگی بھی۔

جب یہ ساتھی خطیب مذکور سے یہ بات کر رہے تھے تو وہ ہمارے ایک خاندانی بزرگ اور پورے علاقہ کے رئیس جناب..... خان صاحب (جن کی پورے علاقہ پر سیاسی اور خان ازم کے حوالہ سے دھاک بیٹھی ہوئی تھی اور میرے بھی خاندانی بزرگ تھے) کے پہلو میں تشریف فرما تھے، ان کو مجھ سے خاندانی بیر تھا، آبائی چشمک چل رہی تھی، یتیمی بھی جرم تھا، وہ طرح دے گئے..... خان صاحب نے جب میرا نام سنا، پھر گئے، ان کی عتاب انگیز نگاہوں کی تاب آخر کون لاسکتا تھا، خطیب موصوف نے لہجہ بدلا اور میں سمجھتا ہوں انہیں مجھ سے کوئی کد نہیں تھی وہ..... خان صاحب کو راضی کرنا چاہتے تھے، میرے ساتھیوں کو جواب میں کہا..... اور جو الفاظ کہے تھے وہ بہت غلیظ تھے انہیں نقل کر کے میں اپنے قلم کو گندہ نہیں کرنا چاہتا اور نہ کاغذ کو آلودہ کر کے قارئین کے دل و دماغ کو متعفن کرنا مناسب ہے۔ ان الفاظ کے قریب قریب نہ سہی ان کی طرف مشیر جملہ یہ ہو سکتا ہے کہ ”ابھی تک اسے استنجا کرنا بھی نہیں آتا میں اسے منبر پر بٹھا کر منبر و محراب اور مسجد کے تقدس کو پامال نہیں کروں گا“۔



## حکمت و تدبیر اور مشورہ کی برکت :

میرے ساتھی اگرچہ جذباتی ہو گئے تھے مگر دانشمندی، عقلمندی، اور حکمت و تدبیر سے فیصلہ یہ کیا کہ پہلے عبدالقیوم کے پاس جاتے ہیں، انہیں صورتحال سے آگاہ کرنے کے بعد ان ہی کے مشورہ سے آئندہ کالائج عمل طے کریں گے۔ میں گھر میں تھا۔ بلایا گیا اور غیض و غضب بلکہ آتشیں انداز میں نوجوانوں نے مجھے صورتحال سے آگاہ کیا اور پھر..... اقدام کر گزرنے کی اجازت چاہی، میں بھی نواورد تھا، جوانی تھی اور آغازِ کار بھی، جوش و جذبہ اور حماقت کے سائے بھی ساتھ تھے، معادل میں خیال آیا کہ اماں جی سے مشورہ کر لیا جائے، اندر جا کر اماں جی سے ساری بات کی میرے لہجہ میں غصہ بھی تھا، انتقام بھی، جوش و جذبہ بھی اور غیض و غضب بھی۔ بڑے حوصلہ سے بات سنی اور فرمایا:

”بیٹے! پریشان نہ ہونا، ان باتوں کا جواب یہ نہیں کہ تم چند ساتھی مل کر خطیب موصوف کی پٹائی کر دو اور اسکی ہڈی پسلی توڑ دو، اس کا جواب یہ بھی نہیں کہ عید کے روز بزور منبر پر بیٹھ کر قبضہ جمالو، اس کا جواب یہ بھی نہیں ہے کہ تم لوگ خطیب موصوف سے مناظرہ، مقابلہ، مجادلہ حجت بازی کرنے لگو بلکہ اس کا جواب یہ ہے کہ اپنے اندر کمال اور نافعیت پیدا کرو، خوب محنت کرو، اپنا علم، علمی کمال، اور تقریر کو اتنا پختہ اور مستحکم کر لو کہ وہ لوگ خود تمہیں خطاب کی دعوت دیں جو آج مخالفت کر رہے ہیں اور اس دن کا انتظار کرو جب حالات انہیں مجبور کر دیں کہ وہ عبدالقیوم ہی سے تقریر کروائیں۔“

بیٹا! اب صبر کرو اور اپنے مخالفین سے اس صورت میں انتقام لو کہ اپنی علمی حیثیت، علمی مقام، خطابت اور دعوت و تبلیغ میں اس قدر محبوبیت و مقبولیت پیدا



کر لو کہ وہ خود تمہارے پاس آئیں اور تقریر کی دعوت دیں۔“

احقر نے واپس آ کر اپنے دوستوں کو سارا ماجرا سنایا، میرے ساتھی اگرچہ جذباتی تھے مگر اماں جی کی نصیحت اور مشورہ تھا اس لئے احتراماً خاموش ہو گئے بلکہ اپنی رائے بھی ترک کر دی۔ ہم نے صبر سے کام لیا۔

اب انتقام لینا ہے :

والدہ کا اشارہ پلے باندھا کہ اب انتقام لینا ہے اور انتقام بھی ایسا کہ خود موصوف مجھے تقریر کیلئے بلائیں، اللہ نے والدہ کی تمنا پوری کر دی، چنانچہ احقر کو اللہ نے محنت، علم و مطالعہ، درس و تدریس، خطابت اور تصنیف و تالیف کے راستے پر ڈال دیا، اپنی شب و روز محنت، اساتذہ کی محبت و شفقت، والدہ مرحومہ و مغفورہ کی دعاؤں اور توجہات سے، وہ دن بھی دیکھنا نصیب ہوا جو اماں جی مرحومہ کو مطلوب تھا، اسی خطیب نے میرے آبائی گاؤں اور اسی جامع مسجد میں ایک بڑا جلسہ بنایا، ایک طویل اور صبر آزما مرحلہ کے بعد اللہ نے وہ اعزاز بخشا جس کے لئے والدہ مرحومہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر دعائیں کیا کرتی تھیں مجھے بطور مہمان خصوصی مدعو کیا گیا، اشتہارات چھاپے گئے، شہر کے علاوہ قرب و جوار اور دور دراز قصبوں اور دیہاتوں کے لوگ بھی جوق در جوق آئے تو جامع مسجد کو باوجود اپنی وسعتوں کے تنگ دامنی کی شکایت تھی، مگر عین موقع پر قدرت کا کرنا یہ ہوا کہ مجھے معقول عذر پیش آیا اور خطیب موصوف کی دعوت و اصرار لوگوں کے شدید اشتیاق و انتظار کے باوصف جلسہ میں نہ پہنچ سکا۔ جس سے داعی کی بڑی سبکی ہوئی۔ بعد میں خیال آیا کہ یہ سب کچھ قدرت کی طرف سے تکوینی انتقام تھا جو رب نے اماں جی مرحومہ کے مشورہ کی تکمیل کر دی۔

منصبِ مادریت :

”ماں“ ایک ایسا لفظ ہے جسے بولتے ہی آدمی کا ذہن ایک گھنی ٹھنڈی چھاؤں کا



احساس کرتا ہے جو زندگی کے تپتے صحراء میں مسافرِ ازل کے لئے ایک پناہ گاہ بنتی ہے۔ اس لفظ سے دنیائے مشرق اور خصوصاً اسلامی معاشرہ میں بڑے ہی نازک جذبات وابستہ ہوتے ہیں یہ لفظ رافت و رحمت کا سرچشمہ ہے۔ اسلامی معاشرے میں ”ماں“ کا مقام بڑا ہی بلند ہے اور منصبِ مادریت اپنے اندر بڑا تقدس بھی رکھتا ہے اور بڑی ذمہ داریوں کا بھی مرکز ہے..... ہر ماں کا وجود ایک خاندان اور کنبے کی بنیادی تنظیم کا محور ہوتا ہے، ہر ماں کی گود آئندہ نسلوں کا گہوارہ ہوتی ہے اور اس کا فیضانِ نظرِ خاکی پتلوں کو انسانیت کے مرتبہ تک پہنچانے کا وسیلہ بنتا ہے۔ ”ماں“ اور ”بچے“ کا جوڑ ہمارے نظامِ حیات میں اس دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے ماں کی گود میں کھیلتا، ہمکتا ہوا بچہ اور دوسری طرف ماں کی خدمت کرتا ہوا نوجوان..... یہ دونوں مناظر ایسے ہیں کہ ہماری اسلامی معاشرت کو جنت بنا دینے والے ہیں۔ اس جنت کا کوئی گوشہ جب ماں کی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے تو اس حادثے پر زندگی کا رواں رواں لرز جاتا ہے خلا پیدا ہو جاتا ہے۔

## ماں کی دعا سے حیات ملی :

ماں کا بول، ماں کی گفتار اور ماں کی دعا کتنی موثر ہوتی ہے ثابت بنانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک نے فرمایا کہ میں ایک انصاری صحابی کی عیادت کیلئے گیا میرے جانے کے بعد تھوڑی دیر میں ان کا انتقال ہو گیا ہم نے ان کی آنکھیں بند کر دیں اور ان پر کپڑا ڈال دیا۔ ایک صحابی نے ان کی والدہ سے کہا کہ اللہ سے ثواب کی امید رکھیں، بے صبر نہ ہوں۔ عورت نے پوچھا کیا وہ انتقال کر گئے ہیں ہم نے کہا ہاں! عورت نے پوچھا کیا تم سچ بول رہے ہو؟ ہم نے کہا بالکل۔ یہ سن کر وہ عورت اپنے ہاتھ کو آسمان کی طرف پھیلا کے اللہ سے یوں مخاطب ہوئی۔



”اے اللہ! میں تجھ پر ایمان لائی تیرے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کی مجھ پر جب بھی کوئی مصیبت آئی میں نے تجھ سے دعا کی اور تو نے میری مصیبت دور کر دی اب میں تیری ہی جانب دستِ دعا دراز کرتی ہوں کہ اے میرے معبود! آج تو مجھ پر مصیبت کا یہ بوجھ نہ ڈال۔“

عورت کی اس دعا کے بعد اس انصاری صحابی نے اپنے اوپر سے کپڑا ہٹا دیا ماں کی دعا دے دوبارہ زندگی مل گئی۔ چنانچہ ہم نے کھانا کھایا اور اس انصاری صحابی نے بھی ہمارے ساتھ کھانا کھایا۔ (من عاش بعد الموت امام محمد ابو بکر ابن ابی الدنیا)

اپنے سگے ماموں :

ماں کا بھائی ”ماموں“ کہلاتا ہے اور ماں کی بہن ”خالہ“ اللہ کے نبی ﷺ نے اس شخص سے جس کے سر سے ماں کا ہسایہ اٹھ گیا تھا خالہ کے دامنِ شفقت کو ماں کی توجہات و عنایات کا نعم البدل قرار دیا تھا۔ ماموں بھی، ماں کی محبتوں، قلبی عواطف، اور توجہات اور رافت و رحمت کا اگر نعم البدل نہیں تو بدل ضرور قرار پاتا ہے۔ اماں جی مرحومہ و مغفورہ حیات تھیں ہم یتیمی کے ایام سے گزر رہے تھے یہ وہ ایام ہوتے ہیں جب اپنا سایہ بھی بیزار ہو جاتا ہے میرے درس نظامی کے زمانہ طالب علمی کا آغاز تھا، میں سال اول کا طالب علم تھا، نجم المدارس کلاچی میں رہتے ہوئے بھی اماں جی مرحومہ اور اپنی یتیم ہمشیرہ گان کی حالتِ زار کب نگاہوں سے اوجھل ہو سکتی تھی، درد دل تھا جو کبھی دعا میں اور کبھی دوا میں ڈھل کر تڑپاتا اور رلاتا رہتا تھا، عادی اور روحانی اسباب کی دنیا میں ماموں کوئی کم سہارا نہیں ہوتا۔ مجھے اللہ نے دو ماموں دیئے تھے مگر گھریلو ناچاقیاں اور خانگی بد مزگیاں پہلے سے چلی آرہی تھیں، یتیمی، فقر و غربت، افلاس اور ناداری نے یہ فاصلے مزید بڑھا دیئے،



اماں جی مرحومہ و مغفورہ بتایا کرتیں، فلاں فلاں تمہارے ماموں ہوتے ہیں مگر مجھے یقین تک نہ آتا کہ واقعہ بھی یہ لوگ میرے ماموں ہو سکتے ہیں کیونکہ نہ تو ان کا گھر دیکھا تھا نہ کبھی آنا جانا ہوا تھا اور نہ کبھی اس کوچہ کی ہوا لگی تھی، عقل و شعور اور سن و پختگی جب آگے بڑھی تب دل نے گواہی دی کہ ہاں یہ صاحب اور یہ صاحب اماں جی مرحومہ و مغفورہ کے سگے بھائی ہیں اور ہمارے ماموں ہوتے ہیں۔

### ماموں کے نام ایک درد انگیز خط :

ایک روز جب اپنے حالات ناگفتہ بہ کا تصور غالب ہوا اور بظہر اسباب گھریلو ذمہ داریوں کے احساس اور تصور نے تحصیل علم کے مواقع کم کر دیے اور عقل نے فیصلہ دیا کہ اگر خانگی حالات یوں رہے اور ماموں صاحبان اور دیگر خاندانی بزرگوں نے سرپرستی قبول نہ فرمائی تو تجھے جلدی ہی مستقبل میں گھریلو کاموں بالخصوص فکر معاش میں لگنا ہوگا تو تحصیل علم کی چھٹی ہو جائے گی اندر سے ایک آواز آئی، ضمیر نے کہا ماموں جان کو خط لکھو، جو دیندار بھی ہیں، تعلیم یافتہ بھی ہیں، صالح بھی ہیں اور مخلص داعی بھی، خط لکھتا جاتا تھا، قلم کے آنسو کے ساتھ ساتھ آنکھوں سے آنسو بھی جاری تھے۔ خط میں اپنے ماموں جان سے سرپرستی کی درخواست ہے مگر میری بد قسمتی کہ اسے اس وقت درخور اعتناء نہ سمجھا گیا اور ہم ماموں جان کی محبت اور شفقتوں سے جس طرح محروم تھے اسی طرح محروم رہے۔ میری صدا دردِ دل ایک طالب علمانہ مگر پرسوز تحریر ان کے گوشہ دل میں جگہ نہ پاسکی۔ البتہ اس کی نقل محفوظ کر لی تھی آج وہ بھی تاریخ کا ایک حصہ بن جائے گی لیجئے! نذر قارئین ہے۔ اتنا یاد رہے کہ یہ تحریر ایک ادنیٰ طالب علم کی ہے جو درجہ اول کا طالب علم ہے وہنی سطح کے ساتھ الفاظِ جملے تراکیب اور اشعار تمام کے تمام اس عمر کے ہیں جب فکری کجی اور وہنی سطح



کی خوردگی ساتھ ساتھ چلتی ہیں، تاہم قارئین اس کجی اور بے ڈھب کی تحریر میں یقیناً وہ پس منظر اور دردِ دل کی کسک ضرور محسوس کر لیں گے جن مرحلوں سے ہم اماں جی مرحومہ کے سایہ عاطفت میں گزر رہے تھے۔

## طالب علمی کے سالِ اول کی یادگار تحریر :

محترم المقام گرامی قدر واجب الاحترام حضرت ماموں جان صاحب دام شفقتمک  
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

مشکل بنی تو کیا ہوا مشکل کشا جو ہے  
سر پر بنی تو کیا ہوا سر پر خدا جو ہے  
گو میں رہا رہین ستم ہائے روزگار  
لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا

امید ہے کہ آپ بمع اہل و عیال خیریت سے ہوں گے دل تو چاہتا ہے کہ احقر خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی اصاغر نوازی اور دل سوز نصائح سے مستفید ہو (ماموں کی عادت ہی یہ تھی کہ جب ان کے پاس کوئی جاتا تو نصائح شروع کر دیتے تھے) اور ساتھ ساتھ دلی مدعا اور دعا، احساسات و جذبات کا اپنی زبان سے اظہار کروں لیکن کیا کروں امتحان کے دن قریب ہیں اور چھٹی لینا مشکل بن جائے گا.....

۴ چونکہ تقدیر چنیں بود چہ تدبیر کنم

بہر حال اپنی منزل مقصود کو حاصل کرنے کا پہلا زینہ یہی خط ہے اور اس کے بعد جب بھی چھٹی ملی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے اپنی سرپرستی کی درخواست کروں گا۔

حضرت ماموں جان! آپ کی خدمت میں میرا خط لکھنا اگرچہ ایک لحاظ سے بے



ادبی ہے اور دوسری جانب سے اس میں شوخ چشتی کا پہلو بھی پایا جاتا ہے لیکن جہاں آپ جیسے دیندار گوشِ حق نبوش اور حق پرست انسان کے حضور میں میرا یہ معروض نامہ پیش ہوگا تو میں آپ کے وسعتِ الطاف اور شفقتِ بے غایت سے بجا طور پر توقع کر سکتا ہوں کہ آپ میری اس جسارتِ نازیبا کو درگزر فرمادیں اور میرے اس خط کو ایک یتیم، مفلس اور بے یار و مدگار اور یتیم طالب علم اور یتیم بھانجے کی آواز سمجھ کر صرف اللہ کے لئے اور اس کی رضا کے لئے بہ نظر غور دیکھیں اور پھر جو فیصلہ آپ کو قرآن و حدیث اور شریعت محمدیہ ﷺ اور خود آپ کا نیک نفس دے اسی کو اختیار فرمادیں۔

آدم برسرِ مطلب! اس سلسلہ میں جو سوالات پیدا ہوتے ہیں اور ان کا پھر جو جواب متحقق ہوتا ہے اس بارہ میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

سب سے پہلا سوال یہ کہ ہم کون ہیں؟ اور آپ کون؟ اور کیا ذاتی اور قومی طور پر (بلحاظ مادری خون کے) آپ اور ہم ایک نہیں؟ اگر ایک ہیں تو پھر اس قدر بعد کیوں؟ یہ قطع تعلقات اور ناخوشگواریاں کیوں؟ قطع نظر اس کے کہ آپ اور ہم بھائی بہن، ماموں بھانجا اور بھانجیاں ہیں، بحیثیت مسلمان کے اسلام نے ہم کو بھائی بھائی قرار دیا تو باوجود اس کے کہ ہم اور آپ ایک دوسرے کے ذاتی طور پر رشتہ دار اور ہم خون ہیں کیا ہم نے بھائی بھائی رہ کر زندگی بسر کی؟ کیا آج تک ہمیں اپنے سگے ماموں کا دامنِ شفقت نصیب ہوا؟ کیا میری یتیم بہنوں اور آپ کی یتیم بھانجیوں کے سروں پر ان کے ماموں نے دستِ شفقت رکھا؟ کیا ہم سب نے باہمی رشتہ داری کی بنیاد پر اعتماد اور اپنائیت والی زندگی گزاری؟

نہیں اور ہرگز نہیں بلکہ اتفاق و اتحاد سے گریز کیا اور کوسوں دور بھاگے۔ تو پھر سوال یہ ہے کہ یوم اختلاف سے لے کر آج تک وہ کونسی چیز تھی اور اسلام کا وہ کونسا حکم تھا



جس نے ہمیں اور آپ کو رشتہ داری و برادری اور اخوت و ہمدردی، بھائی بہن کا پیار، ماموں کی شفقت اور بھانجے بھانجیوں کا ادب، حتیٰ کہ موت فوت تک سے مانع رکھا؟ یہ سوالات ایسے ہیں کہ میں ان میں محو ہو کر اس نتیجہ پر پہنچا کہ ان سوالات کا حل آپ کے پاس ہے کیونکہ اصل حقائق، اسرار، رموز آپ پر عیاں ہیں، آپ تعلیم یافتہ بھی ہیں، سکول میں سینیئر استاد بھی ہیں قرآن و حدیث کا مطالعہ بھی ہے اور اس راہ کے شناور بھی ہیں، بایں وجہ آپس میں ایک ہونے کے لئے ہم نے جو قدم اٹھانا ہے وہ بھی قرآن و حدیث کی روشنی میں آپ کے مشورہ و صلاح کے مطابق اٹھانا ہے..... لیکن آج اگر میں اپنے دل کی کیفیت اور اس کا مثل بسمل تڑپنا بھی زیب کاغذ کر دوں تو مجھے آپ کی شفقت عالیہ سے توقع ہے کہ آپ مجھے دادِ صبر دیتے ہوئے یہ کہتے نظر آئیں گے.....

کانٹوں میں ہے گھرا ہوا چاروں طرف سے پھل  
 پھر بھی کھلا ہی پڑتا ہے کیا خوش نصیب ہے  
 آہ تقدیر وائے نصیب! زندگی کی دنیا میں نو وارد مسافر کو جن سہاروں کی ضرورت  
 ہوتی ہے ان میں سب سے زیادہ قوی اور مضبوط سہارا جس کو اسلام نے رحمت کہا ہے والد کا  
 ہوتا ہے، لیکن ربِّ قدیر نے والد کا مرضی سہارا اور سایہ رحمت سر سے اٹھالیا، ان کے غم  
 میں چند دن پریشانی رہی لیکن پھر حقیقت کو سامنے رکھا اور یہ کہہ کر تسکینِ قلب کا سامان  
 مہیا کیا.....

یہ چمن یوں ہی رہے گا اور ہزاروں بلبلیں  
 اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گی

تا بکے در غم تو نالہ شبگیر کنم :

تاہم اپنے ماموں یا والد کے بھائی (اپنے چچے) جو اگر چہ والد کا مقام حاصل نہیں



کر سکتے لیکن اگر ان کے دل نرم ہوں اور خداوند قدوس نے ان کے دلوں میں شفقت کا مادہ رکھا ہو تو وہ اس کے مثل ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات یہ لوگ شفقت پداری سے بڑھ کر ایک مقام حاصل کر لیتے ہیں جو ان کے لئے مغفرت کا باعث بن جاتا ہے لیکن.....

ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

بہر حال جب والد عازم اقلیم عدم ہوا (یہ اس وقت کی طالب علمانہ تحریر کا عامیانا

جملہ ہے میں آخرت کو عدم نہیں سمجھتا اور اب سمجھتا ہوں کہ یہ جملہ ”عازم اقلیم

ابد ہوا“ ہونا چاہئے) تو ہم نہایت ہی مفلسی، یتیمی اور بے کسی کی حالت میں تھے ظاہری

اسباب میں سے بظاہر سب سے بڑا اور متوقع سہارا ہمارے لئے آپ حضرات تھے اور

ہماری ضعیف اور خمیدہ کمر والدہ کے لئے اگر کوئی تکیہ بن سکتا تھا تو وہ صرف آپ تھے لیکن

تقدیر زیر لب مسکرا رہی تھی اور بزبان حال اس کا قول تھا کہ اے یتیمو! تم جن کو اپنا تکیہ اور

سہارا بنا رہے ہو ان میں وہ طاقت اور توانائی نہیں ہے اور سچ تو یہ ہے کہ.....

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو میری

جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

ہمارے خاندانی بزرگ جن کے ہم، ہم خون ہوتے ہیں اور وہ یتیموں کی امیدوں

اور آرزوؤں کا جواب ہوتے ہیں بجائے اس کے کہ ہماری پرورش کرتے ہماری دیکھ بھال

اور ہمارے لئے تسکین قلب کا سامان مہیا کرتے اور ہمارے غم کی تاریکی میں اجالا بن کر

پیش آتے، الٹا ہمارے مال سے اپنے پیٹ کی بھٹی گرم کی اور ہماری تنگی و عسرت پر خوش

ہونے لگے ہماری امیدوں کو توڑا، ہم ان کو اپنا سمجھ کر جب تکیہ کرنے لگے تو وہ نیچے سے

کھسک گئے بے خبری کی حالت میں ہمیں سخت چوٹ آئی، خدا جانے یہ زخم کب اپنی اصل



حالت پر لوٹے گا صرف یہ نہیں بلکہ جس خدا ترس نے ہماری آہ و فریاد پر کان دھرا اور ہمارے حق میں کچھ جماعتی اور دعائیہ کلمات کہے، حق کا اظہار کیا کہ یتیموں کا خیال کروان کا سہارا تم ہو ان کو اپنا حق پورا دو اسی خدا ترس کی آواز ان کو مثل تیر محسوس ہوئی بجائے اس کے کہ حقیقت پر غور فرماتے اور حق بات سنتے اور اس پر عمل کے لئے کوشاں ہو جاتے الٹا حق گو کو راستے سے ہٹا دیا اور اسے شہید کر دیا تا کہ ہم غریبوں اور یتیموں کا خون خوب سیر ہو کر پی سکیں، ظالموں نے اپنی حسرت پوری کرنے کے لئے ہر ممکن نوچا اور نوچ رہے ہیں خدا جانے ظلم و ستم کی یہ روداد کب تک جاری رہے گی اور تاکہ ہم مظلومی کا نشانہ بنتے رہیں گے اس حالت میں جب کہ دل و دماغ پر غم و حزن کا مد و جزر ہے یا س و نا امیدی نے عقل و فہم کے دامن میں آشیانہ بنا لیا ہے دل جو تمام جسم کی راحت و آرام یا پریشانی و غم کا مبداء اور منبع ہے ظالموں نے اس پر ہر طرح وار کئے اور آج بری طرح نڈھال کر ڈالا۔

اس پریشان کن و قابل ترس حالت میں ذہن اس جانب متوجہ ہوتا ہے اور خود کو دیوانہ وار کہنے لگتا ہے..... کہ اے عبدالقیوم! یہ تو ایک یقینی امر ہے کہ اس وقت تو پدرانہ شفقتوں سے محروم ہو چکا لیکن اللہ الحمد تیری والدہ محترمہ (اماں جی) روبہ حیات ہے جب تک وہ زندہ ہے تیرے غم کی تاریک رات کبھی بھی دائمی نہیں ہو سکتی کیونکہ مادرانہ شفقتیں کبھی کبھار یقیناً اجالا پیدا کر دیتی ہیں لیکن کیا والدہ کی جانب سے تیرے کوئی اپنے ہیں؟

ہاں ہیں اور یقیناً ہیں دو ماموں اور..... کیسے اور کس نوعیت کے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ ایک ان میں خدا دوست دین پرست اور صاحب صوم و صلوات ہے اور دوسرا بھی خوشحال کاروباری تاجر اور جائیداد کا مالک اور ذی فہم و ذکی ہے۔ کیا انہوں نے تیری حالت زار نہیں دیکھی اور نہیں سنی؟ اگر سنی اور دیکھی ہے تو پھر تو یتیم بھانجا اور وہ ترے ماموں اس قدر زیادہ کشیدگی اور بُعد کیوں؟



محترم! حالتِ اضطراب میں اپنے آپ کو جس انداز میں مخاطب ہوتا ہوں وہ مذکور ہو چکا لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ جب سے مسافری میں ہوں اگرچہ اکثر اوقات اپنے اسباق میں منہک رہتا ہوں لیکن جب کبھی بھی اپنے ساتھیوں اور مسافر طلباء کو دیکھتا ہوں کہ کسی کا والد آ رہا ہے تو کسی کا بھائی، کسی کا ماموں آ رہا ہے تو کسی کا چچا، کسی کا چچا زاد بھائی آ رہا ہے اور کسی کا ماموں زاد بھائی، پر بات یہ ہے کہ میری مسافری میں عمر گزری جا رہی ہے، نہ کبھی والد کا چہرہ دیکھ سکا (جو کہ اب محال بھی ہے کہ والد صاحب فوت ہو چکے ہیں) اور نہ کبھی چچا اور چچا زاد بھائیوں کو دیکھا اور نہ کبھی ماموں اور ماموں زاد بھائیوں کی شفقت کا مستحق ٹھہرا جب کہ الحمد للہ وہ زندہ ہیں۔ جب میں اس قسم کے تصور میں مبتلا ہوتا ہوں تو بے قراری رفاقت کی پیش کش کرتی ہے اور پھر اس قسم کے تخیل و تصور کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب تک یہ خیالات ذہن میں رہتے ہیں اسباق کے سمجھنے میں کوتاہی پڑھنے میں سستی اور دیگر مشاغل ضرور یہ سے بے اعتنائی برتتا رہتا ہوں اور دل ہی دل میں کہتا ہوں.....

یا فیاضِ ازل! تو ہی میری حالت پر رحم فرما، میں نے کونسا تصور کیا جبکہ ماموں جان شفقت سے گریز کرتے ہیں، خدا جانے ان کے دل کیوں اس قدر سخت ہیں، کیا میں ان کا سگا بھانجا نہیں؟ کیا میری بہنیں ان کی بھانجیاں نہیں؟ اور کیا میری والدہ ان کی بہن نہیں؟ ہے اور یقیناً ہے تو پھر کیا میرے ماموں جان اسلامی روایات سے بے خبر ہیں؟ ”تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا“ ”و تعاونوا علی البر والتقوی“ ”جو صلہ رحمی کو قطع کرتا ہے وہ خداوند کریم سے تعلق قطع کرتا ہے“ ان ارشادات سے وہ بے خبر نہیں ہرگز ایسا نہیں، اللہ کے فضل سے میرے ماموں قرآن مجید بھی پڑھتے ہیں اور اسلامی احکامات پر پوری دسترس رکھتے ہیں اور عملی میدان میں بھی کوشاں ہوتے ہیں۔

حضرت ماموں جان! یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ آپ علم دوست ہیں اور الحمد



لڈر ب قدر نے احقر کو بھی تحصیل علم کے لئے گھر سے نکالا دونوں کا مشن ہدف خدا ہی کی رضا ہے۔

تو بوجہ علم دوستی کے آج میں اپنے آپ کو صرف آپ کا بھانجا تصور نہیں کروں گا بلکہ آپ کو اپنا سرپرست اور روحانی والد خود کو آپ کا ادنیٰ غلام اور شاگرد تصور کروں گا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ جب تک میری تربیت آپ جیسے مشفق مہربان حضرات کے زیر سایہ نہ ہو ممکن ہے کہ زندگی کی کشتی کا ملاح بھنور میں پھنس کر خود کو کھونہ دے۔ لیکن اگر آپ نے شفقت کے دامن الطاف کو وسیع کیا مجھ کو اپنا روحانی بیٹا جانا صحیح مشوروں سے نوازا میری تعلیم کی فکر کی، تو یہ ایک یقینی امر ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ایک روز میں آپ کا صحیح جانشین بنوں گا اور آپ کا تیار کردہ اسلامی سپاہی ہوں گا، دین کے خدمت کے لئے کمر بستہ ہو کر آپ کے نام کو روشن رکھوں گا اور آپ کی فلاح و کامیابی کے لئے خدا کے حضور میں ہر وقت دست بہ دعا رہوں گا۔

ماموں جان! میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ میری والدہ (جو آپ کی بہن ہوتی ہے) ان سے بھی صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لئے ایسا تعلق جوڑیں جو ایک حقیقی بہن بھائی کے درمیان ہونا چاہئے، کیونکہ رب یزدانی کی قدرت سے بعید نہیں کہ وہ آپ کو اور ہم کو اس وجہ سے مغفور فرماوے کہ ہم مدتوں کی رنجش عداوت اور بغض کو..... صرف خدا کی رضا کے لئے ترک کر کے شیر و شکر ہو رہے ہیں۔

ماموں جان! یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہم آپ جیسی شخصیت کے ماموں ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں اور غیروں کو فخر یہ طور پر کہتے ہیں کہ فلاں میرا ماموں ہے، غائبانہ طور اگر کوئی پوچھتا ہے کون ہو؟ میں کہتا ہوں کہ ماموں..... کا بھانجا ہوں۔

الجملة والمختصر صلح کی درخواست ہے صلہ رحمی کی درخواست ہے امید



ہے کہ یتیم بھانجے اور بیکس یتیم بھانجیوں کی یہ درخواست آپ کی شفقت عالیہ سے محروم نہ رہے گی اور دل کی اتھاہ گہرائی سے اس جانب التفات فرما کر اللہ تعالیٰ کی رحمت بے پایاں کو دعوت دیں گے۔

بر کریمیاں کار ہادشوار نیست

ع

بعد ازیں میرے دل میں اس بات کا یقین پیدا ہو رہا ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کی توجہ ہمارے استحقاق میں تبدیل ہوئی ہوگی۔ مستقبل کے لئے ہم نے آپس میں تعلقات کو خوشگوار بنانے اور رنجشوں کو دور کرنے کے لئے جو لائحہ عمل تیار کرنا ہوگا اس سلسلہ میں آپ کے جواب کا منتظر رہوں گا اگر آپ کا جواب نامہ جو میرے لئے شرف افتخار کا باعث ہوگا آیا تو میں سمجھ جاؤں گا کہ آپ اس سلسلہ میں مثبت اقدام کرنے پر راضی ہیں اور خدا لگتی چاہتے ہیں تو میں خود آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر اس سلسلہ میں ٹھوس قدم اٹھاؤں گا۔

والسلام

آپ کا مخلص، فرمانبردار، خیر خواہ

اور مطیع و جان نثار بھانجا عبدالقیوم بقلم خود

سابقہ تحریر پر قارئین کے خطوط :

گذشتہ شمارہ (ماہنامہ "القاسم" میں احقر کا یہ سلسلہ مضامین مسلسل چھپتا رہا) میں قارئین نے اس عنوان کے تحت احقر کے زمانہ طالب علمی کے سال اول کی ایک تحریر پڑھی جو ماموں جان مرحوم کے نام ایک درد انگیز خط تھا، اس پر ملک بھر سے خطوط موصول ہوئے، علماء اور مشائخ کے بھی، دانشوروں اور صحافیوں کے بھی، اکابر اور اصاغر کے بھی، اپنے اساتذہ اور مربی و محسنین کے بھی، ان خطوط میں داد و تحسین اور نقد و جرح کے ملے جلے



جذبات تھے اپنے قلبی تاثرات اور کیفیات کا اظہار تھا، مجھ گناہ گار کی حوصلہ افزائی بھی مقصود تھی اور اصلاح بھی۔

### دینی مدارس کے طلباء کے خطوط :

دینی مدارس کے طلباء کے خطوط بھی موصول ہوئے طلباء کے خطوط میں ایک ہی چیز قدر مشترک تھی کہ پٹھان ہو کر اور طالب علمی کے سال اول میں اس طرح کی تحریر کیسے لکھی؟ اور کہاں سے سیکھی، جملے کیسے بنائے، تحریر میں درد کیسے بھرا اور یہ کہ اس طرح تحریریں لکھنا کیسے سیکھا اور سکھایا جاسکتا ہے۔

### اردو تحریر کی بنیاد :

عزیز طلباء، کیا بتاؤں کہ میں نے اردو کیسے اور کہاں سیکھی ہے، اردو مطالعہ ہو یا تحریر، استفادہ کی صورتیں ہوں یا افادہ کی اس کی بنیاد بھی تو اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے ابتدائے شعور ہی سے رکھ دی تھی، میں کوئی چوتھی یا پانچویں جماعت کا طالب علم تھا کہ اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے اپنے گھر میں خود مجھے قرآن کریم پڑھانا شروع کر دیا۔

### اماں جی مرحومہ و مغفورہ کا درس قرآن :

اماں جی مرحومہ قرآن کی بہترین اور کامیاب مدرسہ تھیں گرد و نواح اور پڑوس کے بچوں اور بچیوں کی بہت بڑی تعداد ہر وقت گھر میں جمع رہتی تھی جو اماں جی مرحومہ و مغفورہ سے قرآن پڑھا کرتے تھے، گھر میں ان طلباء اور طالبات کی وجہ سے خوب رونق رہتی تھی، اب بھی بعض حفاظ بتاتے ہیں کہ وہ اماں جی مرحومہ کے شاگرد ہیں، آخر عمر تک قرآن کی تدریس اماں جی مرحومہ کی زندگی کی مساعی کا اولین ہدف تھا اور اب جب گھر سے یہاں نوشہرہ ہمارے ہاں تشریف لائیں اور پھر یہیں سے جنت کو سدھار گئیں تو اپنی



طالبات کو باقاعدہ چھٹی دے دی تھی۔

## مترجم قرآن :

بات یہ کر رہا تھا کہ اماں جی مرحومہ نے مجھے اولاً خود ابتدائی قرآنی قاعدہ پڑھایا، پھر قرآن پڑھانا شروع کیا، ابھی جب چند پارے ہی پڑھے تھے کہ ایک بڑی سائز کا خوبصورت قرآن عمدہ طباعت، رنگین، چمکیلے اور خوشنما اوراق مترجم ”فتح الحمید“ ہے اور مترجم مولانا فتح محمد جالندھری ہیں آغاز میں مفصل اردو مقدمہ ترجمہ سے متعلق اکابر علماء اور برصغیر پاک و ہند کے مشائخ کی آراء، اماں جی مرحومہ فرماتیں:

”بیٹے! اسے پڑھا کر وہ قرآن کی فضیلت ہے اس سے اجر و ثواب معلوم ہوتا ہے تمہاری اردو تو بہتر ہے ماشاء اللہ بیٹے! یہ لفظی ترجمہ بھی دیکھا کرو والدہ کا اصرار ہوتا کہ یہ آیت جو تم نے پڑھی ہے اس کا ترجمہ کیا لکھا ہے، ہمیں بھی سنا دو یا کبھی خود تلاوت فرماتیں، کوئی آیت دل میں اتر جاتی تو مجھے بولیتیں یا خود میرے پاس تشریف لے آئیں اور متعلقہ آیت کا اردو ترجمہ پڑھ کر سنانے پر اصرار فرماتیں، یہیں سے مجھے اردو سے شناسائی ہوئی، پڑھنے کی عادت بنی اور بنتی ہی چلی گئی۔“

## حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی :

مطالعہ کتب اور اردو ریڈنگ کا ذہن تو اماں جی مرحومہ کے دامن تربیت میں روبہ ترقی تھا، نویں یا دسویں جماعت میں زیر تعلیم تھا، ایک روز کسی کتاب یا رسالہ میں نفیس اکیڈمی کراچی کی فہرست کتب کا اشتہار دیکھا، کتابوں کے نام پڑھتا گیا، ایک نام پسند آیا یہ تھا ”حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی“ مصنف کا نام علامہ سید مناظر احسن گیلانی،



کتاب کے نام سے محبت ہو گئی دل نے فیصلہ دے دیا کہ یہ کتاب منگوانی ہے اور اس کے مطالعہ و استفادہ کا اہتمام کرنا ہے، کیسے منگوائی جائے اس کا علم نہ تھا، اور نہ طریق کار معلوم تھا اور نہ ہمارے دیہاتی ماحول میں اس نوعیت کا کوئی واقعہ میرے سامنے وقوع پذیر ہوا تھا کہ پہلے سے ایک مثال موجود ہوتی فہرست پڑھتا گیا آخر پر لکھا تھا 'خط بھیج کر اپنی پسندیدہ کتابیں طلب کیجئے یا اس مفہوم کے قریب قریب کوئی جملہ تھا، بہر حال جو کچھ بھی تھا میں نے اپنی استعداد کے مطابق یہی سمجھا کہ خط لکھ کر بھیج دیا جائے تو کتابیں بھیج دی جائیں گی رہی ادائیگی قیمت تو اس کا طریق ترسیل معلوم نہ تھا، خیال تھا کتاب آجائے گی تو لفافے میں بند کر کے اس کی قیمت بھی بھیج دوں گا، بہر حال خط لکھ کر بھیج دیا کہ مجھے "حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی" بھیج دی جائے اور اپنا واپسی پتہ ایک دوکاندار کی معرفت بھیج دیا۔

## کراچی سے وی۔ پی آگئی :

ابھی دو ہفتے نہ گزرنے پائے تھے کہ مطلوبہ کتاب اپنی معرفت کے دوکاندار کے پاس پہنچ گئی، کوئی دوپہر کا وقت تھا کہ دوکاندار کا بیٹا گھر آیا تیزی سے دستک دی، احقر باہر نکلا تو دوڑ کر آنے کی وجہ سے اس بے چارے کا سانس پھول رہا تھا، کہنے لگا 'ابا جی نے بھیجا ہے کراچی سے آپ کا کوئی پارسل آیا ہے، ڈاکیہ وہ پارسل ہمیں دیتا نہیں، کہتا ہے پندرہ روپے کی ادائیگی کرو گے تو پارسل مل جائے گا، مجھے اب بھی یاد ہے وہ کہہ رہا تھا کہ تمہاری وی۔ پی آئی ہے، ابا جی کہتے ہیں اندر سے تو کتاب لگتی ہے شاید اس کتاب کا نام وی۔ پی ہو، خود مجھے بھی علم نہیں تھا کہ وی۔ پی کیا ہوتی ہے؟ میں نے کہا کہ میں نے تو کراچی سے ایک کتاب منگوائی تھی، خدا جانے یہ وی۔ پی کیا چیز ہو سکتی ہے۔



## بات پندرہ روپے کی :

بہر حال جب اتنا معلوم ہو گیا کہ کراچی سے کتاب آئی ہے تو دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں اماں جی مرحومہ کی خدمت میں تمام صورت حال عرض کر دی فرمایا بیٹے! پندرہ روپے اب کہاں سے لاؤں ہر کارے (چٹھی رساں) کو سمجھا دو کہ یہ کتاب اپنے پاس رکھ لے جب بھی رقم میسر آئی ہم ادائیگی کر دیں گے اور اگر وہ نہ مانے تو دوکاندار کو میری طرف سے عرض کر دیجئے گا کہ اس کتاب کی رقم تم ادا کر دو جب ہمیں اس کی رقم میسر آئی ہم ادائیگی کر دیں گے اور کتاب لے لیں گے۔ مگر غربت بھی جرم ہے فقر و درویشی بھی جرم۔

ع صراحی چوں شود خالی جدا پیمانہ مے گردد

یا اللہ ! اب کیا کیا جائے اور پندرہ روپے کہاں سے لائے جائیں میں نے اپنے حلقہ تعارف و احباب میں خوب تنگ دود کی مگر پندرہ روپے کا اعتماد کون کرتا اس زمانے کے پندرہ روپے آج کے تین سو روپے کے برابر ہوتے ہیں۔ مسئلہ الجھ گیا میری پریشانی، انتظار اور اضطراب دیدنی تھا۔ اماں جی مرحومہ کا دل بھی پسچ کر رہ گیا اور رقم مہیا کرنے کی تدبیریں سوچنے لگیں بہر حال جیسے تیسے دوسرے روز مجھے پندرہ روپے مہیا کر دیے اور میں نے وی۔ پی چھڑالی پیکٹ سے کتاب نکالی تو گویا جان میں جان آگئی اور دل بے قرار کو قرار حاصل ہوا کتاب بڑی سائز کے 480 صفحات پر مشتمل تھی گھر میں سب نے دیکھی! اہاں جی مرحومہ نے دیکھی اور پھر محلہ میں بات چلی گئی کہ عبدالقیوم کے پاس تو کراچی سے کتابیں آتی ہیں اماں جی مرحومہ اس کتاب کا واقعہ اہل محلہ کے سامنے مزے لے لے کر بیان فرماتیں اور میں سنتا رہتا اور میری حوصلہ افزائی اور تشجیح ہوتی دل گواہی دیتا تھا کہ واقعہ کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔



## گھر میں کتاب پڑھ کر سنانا :

چند روز گزرے تو اماں جی نے کہا بیٹے! کتاب تو تمہارے ہاتھ چار پائی پر اور سینے پر رہتی ہے، ہمیں بھی سنایا کرو کہ اس میں کیا کیا لکھا ہے، امتحان کی یہ گھڑی بہت سخت تھی پھر اردو بھی سید مناظر احسن گیلانی کی، کتاب تمام تر تاریخ، فلسفہ، فقہ، سوانح، اجتہاد و استنباط اور سیاسیات سے متعلق ہے، مجھ نو وارد کے پلے کیا پڑتا۔

## بالاستیعاب مطالعہ :

لیکن اماں جی نے اصرار کیا اور بار بار اصرار کیا تو میں نے کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ شروع کر دیا اور وہ مقامات جہاں آسان پیرائے میں واقعات، قصص، عبرت انگیز اور سبق آموز تحریریں تھیں، جو بآسانی میری سمجھ میں آ سکتی تھیں، نشان لگا دیا، اب تو اماں جی کا اصرار بڑھا اور مطالبہ اور اصرار ہونے لگا، تو میں روزانہ اپنے نشان کردہ مقامات میں سے ایک ایک کر کے سناتا رہتا اردو جملہ یا لفظ غلط پڑھتا، تو مرحومہ اصلاح فرماتیں ایک ایک واقعہ دسیوں مرتبہ مجھ سے کتاب پڑھوا کر سنا مگر پھر بھی سیری نہ ہوتی اور ان کا ایک ہی مطالبہ ہوتا کہ کتاب منگوائی ہے تو سنانا بھی ہوگی امام اعظم کے کئی واقعات، حیرت انگیز واقعات بعض اسی کتاب سے مجھ سے پڑھوا پڑھوا کر انہیں یاد ہو گئے ان ہی واقعات میں سے بعض جو اماں جی مرحومہ کو زیادہ پسند تھے نذر قارئین ہیں۔

## یہ تھیلی تمہارے ہی لئے ہے :

کوفہ میں ایک صاحب پہلے خوش حال تھے لیکن زمانہ کی گردش میں مبتلا ہوئے، آدمی غیرت و حمیت والے تھے، جس طرح گزر رہی تھی گزار رہے تھے، ایک دن ان کی چھوٹی بچی تازہ تازہ ککڑیوں کو دیکھ کر چلاتی ہوئی گھر آئی، ماں سے ککڑی لینے کے لئے پیسے مانگے،



لیکن افلاس اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ ان کلکڑیوں کے لئے بھی ماں پیسے نہ دے سکی، لڑکی کا باپ بیٹھا ہوا اس تماشے کو دیکھ رہا تھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور طے کیا کہ کسی سے امداد حاصل کرنی چاہئے مورخین نے اس موقع پر لکھا ہے۔

کہ مجلس ”البرکتہ“ کا اس نے ارادہ کیا اور ”مجلس البرکتہ“ امام ابوحنیفہ کی مجلس کا نام تھا بہر حال آنے کی حد تک تو بے چارہ کسی طرح ”مجلس برکت“ تک وہ آ گیا لیکن جس نے کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگا تھا اس کی زبان کھل نہ سکی بار بار کہنے کا ارادہ کرتا لیکن طبعی شرم و حیا زبان کو روک دیتی آخر یوں ہی اٹھ کر چلا گیا لیکن امام کی نگاہ سے اس کی دل کی کیفیت کیسے چھپ سکتی تھی، لکھا ہے کہ اس کے چہرے سے امام نے تاڑ لیا کہ یہ بے چارہ کوئی حاجت مند ہے شرافت کی وجہ سے اپنی حاجت کہہ نہ سکا جب اٹھ کر جانے لگا تو امام صاحب بھی پیچھے پیچھے اس کے روانہ ہوئے، جس گھر میں داخل ہوا تھا اس کو خوب پہچان لیا جب رات بھیک گئی تب امام صاحب اپنی آستین میں روپے کی ایک تھیلی جس میں کہا جاتا ہے کہ پانچ سو درم تھے، لے کر روانہ ہوئے اور اس کے دروازے پر پہنچ کر کنڈی کھٹکھٹائی، اندھیرا کافی تھا بے چارہ باہر نکلا کہتے ہیں کہ امام صاحب اس کی دہلیز پر تھیلی رکھ کر اٹے پاؤں یہ کہتے ہوئے واپس آئے ”دیکھو تمہارے دروازے پر تھیلی پڑی ہوئی ہے یہ تمہارے ہی لئے ہے“ تھیلی تو اس نے اٹھالی لیکن پتہ نہ چلا کہ کون تھا جو اس کو طرح دے کر چلا گیا بیوی کے پاس گیا تھیلی کھولی گئی پانچ سو درم کے ساتھ ایک پرزہ ملا کہ ”ابوحنیفہ اس رقم کو لے کر تیرے پاس آیا تھا یہ حلال ذریعہ سے حاصل کی گئی ہے چاہئے کہ اس سے اپنے قلب کی فراغت میں کام لو“۔

اولاد کے ساتھ علماء کا بھی حصہ :

امام ابوحنیفہ کا یہ عام دستور تھا کہ اپنے بال بچوں کے لئے جب کوئی چیز خریدتے



تو مشائخ و علماء کے لئے بھی وہی چیز ضرور خریدتے خود اپنے لئے جب کپڑا بنواتے تو علماء کے لئے بھی جوڑے تیار کراتے اسی طرح جس قسم کے فواکہ اور پھلوں کا موسم آنا ناممکن تھا کہ اپنے لئے اور اپنے گھر والوں کے لئے خریدتے اور علماء کو بھی وہی پھل خرید کر نہ بھیجتے۔

### حسن بن زیاد کے لئے وظیفہ :

حسن بن زیاد جو امام کے ممتاز تلامذہ میں ہیں کہتے ہیں کہ ”میں امام صاحب کے پاس پڑھا کرتا تھا میرے والد ایک دن امام صاحب کے پاس آئے اور عرض کرنے لگے کہ حضور! میری چند لڑکیاں ہیں لڑکوں میں حسن کے سوا کوئی نہیں ہے آپ ہی اس کو سمجھائیے کہ کوئی ایسا دھندہ اختیار کرے جس سے مجھے کچھ سہولت میسر آئے“ حسن کا بیان ہے کہ جب میں حاضر ہوا تو امام صاحب نے فرمایا کہ میاں حسن! آج تمہارے والد آئے تھے اور یہ یہ باتیں مجھ سے کہہ کر گئے ہیں اس کے بعد حسن سے امام نے فرمایا کہ میاں تم تو پڑھنے میں لگے رہو میں نے کسی عالم کو بھوکے مرتے نہیں دیکھا ہے، حسن کا بیان ہے کہ امام نے اس دن سے میرے لئے کچھ ماہوار اس وقت تک مقرر کر دیا جب تک روزگار سے نہ لگ گیا۔

بہر حال یہیں سے میرے (احقر کاتب الحروف) کے اردو مطالعہ اردو فہمی ذوق مطالعہ اور اردو نویسی کی بنیاد پڑی آخر دسویں جماعت کا طالب علم تھا اور دسویں کا طالب علم علامہ سید مناظر احسن گیلانی کی تحریر پڑھے بلکہ اس سے جبراً پڑھوائی جائے اور بار بار پڑھوائی جائے اور پڑھوانے والی اماں جی ہو تو اس کی اردو اب نہ بنے گی تو کب بنے گی۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانی کی یہ کتاب اب بھی میرے پاس موجود ہے اور اب اپنی تمام کتابوں کے ساتھ اس کتاب کو بھی جامعہ ابو ہریرہ کی لائبریری کے لئے وقف کر دیا ہے بلکہ



اس کتاب کے بار بار مطالعہ نے مجھے سید مناظر احسن گیلانی کا گرویدہ عاشق زار بنا دیا، مرحوم میرے! محبوب مصنف ہیں، ان کی تمام تصانیف تدوین حدیث، تدوین فقہ ابوذر غفاری، مقالات احسانی، دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن، النبی الخاتم، سوانح قاسمی اور معاشیات بار بار پڑھیں، اس طرح پڑھیں کہ حرز جان ہو گئیں۔

بہر حال مذکورہ کتاب کے ابتدائی اوراق اور درمیان میں جگہ جگہ مختلف صفحات پر میرے بچپن کے قلم سے وہی کچھ لکھا ہوا ہے جو اس عمر کا اقتضا ہے، پھر اسی کی یہ برکتیں بھی ظاہر ہوئیں۔ کہ مجھے اللہ پاک نے ”دفاع امام ابوحنیفہ“ ”امام اعظم کے حیرت انگیز واقعات“ ”علمائے احناف کے حیرت انگیز واقعات“ اور ”امام اعظم کا نظریہ انقلاب و سیاست“ لکھنے کی توفیق ارزانی فرمائی، اور اب عالم اسباب میں بظاہر یہ کام مجھ سے کرایا گیا لیکن اس کی بنیاد رکھنے کا کام اللہ تعالیٰ نے اماں جی مرحومہ سے لیا، میری تمام کتابوں کی طرح امام اعظم ابوحنیفہ اور حنفیت پر لکھی گئی تمام تصنیفات بھی اماں جی مرحومہ کے لئے صدقہ جاریہ ہیں۔

### ماں کا سب سے مقدس رشتہ :

شائد آغازِ حیاتِ بشر ہی سے، جب سے رشتوں کے تقدس کا احساس قلبِ انسانی میں موجوں کی صورت میں ابھرنے لگا، ماں کا رشتہ سب سے زیادہ مقدس ٹھہرا۔ جو مٹھاس، وارنگی، ٹھنڈک اور اطمینان کی کیفیت اس رشتے سے وابستہ ہے کسی اور سے نہیں۔ ماں کا لفظ محبت و رحمت کا بدل ہے۔ ماں کا احترام انسانی معاشرے کی بقا کا دوسرا نام ہے، ماں کی بے احترامی انسانی معاشرے کیلئے تباہی و ناامدادی کا پیغام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی معاشرے کے حکیموں اور طبیبوں نے ہر دور میں نوعِ بشر کو اس امر کی طرف



متوجہ کیا ہے۔

اماں جی مرحومہ و مغفورہ کی یادوں پر مشتمل سلسلہ مضامین (ماہنامہ القاسم میں) میری مصروفیات اور اسفار کی وجہ سے رک گیا تو ملک و بیرون ملک سے اپنے مخلصین قارئین نے یاد دہانیاں کرائیں اور بہ اصرار اسے جاری رکھنے کی تاکید فرمائی کہ اس سے انہیں اپنے والدین کی یادیں تازہ ہوتی رہتی ہیں۔

### والدین کے لئے مغفرت کی دعا کا اہتمام :

ماں اور باپ دونوں محترم ہیں ایک کے نام کے ساتھ محبت گندھی ہوئی ہے تو دوسرے کے نام کے ساتھ شفقت۔ دونوں زحماتیں اٹھا اٹھا کر اولاد کو پروان چڑھاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انبیاء کی تعلیمات میں دونوں کا ذکر بالعموم اکٹھا آتا ہے، ہاں البتہ جب دونوں میں سے کسی ایک کا ذکر مقصود ہو تو ماں کو تقدم حاصل ہو جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں بھی ماں باپ کے سامنے اُف کرنے اور انہیں جھڑکنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں قرآن مجید میں حضرت ابراہیم اور حضرت نوح کی دعائیں نقل ہوئی ہیں، وہ اپنی مغفرت طلب کرنے کے ساتھ ساتھ ماں باپ کے لئے بھی مغفرت طلب کرتے ہیں، حضرت ابراہیم کی دعا کا یہ معروف جملہ تو ہم ہر روز پڑھتے ہیں:

ربنا اغفر لی ولوالدی ..... پروردگار! مجھے بھی بخش دے اور میرے والدین کو بھی

قرآن حکیم بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے توسط سے جو اس احکام بنی اسرائیل کو دیئے ان میں سے پہلا شرک کی ممانعت کا تھا اور دوسرا والدین سے حسن سلوک کا۔

ماں باپ کو گالی دینا گناہِ کبیرہ ہے :

اماں جی مرحومہ و مغفورہ بچپن ہی سے سنایا کرتی تھیں کہ



”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گناہانِ کبیرہ میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دے۔ حاضرین نے عرض کیا: کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو بھی گالی دے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں (اس طرح سے کہ) کسی دوسرے شخص کے ماں کو گالی دے تو وہ جواباً اس کی ماں کو گالی دے گا۔

اسی حدیث کو سامنے رکھ کر اماں جی مرحومہ و مغفورہ فرمایا کرتیں کہ بیٹو! اپنے ماں باپ کو کبھی گالی نہ دینا، ہم عرض کرتے، ہم کیسے یہ جرأت کر سکتے ہیں، فرماتیں! جب کسی کی ماں کو گالی دو گے تو وہ تمہاری ماں کو ضرور گالی دے گا۔“

### مغرب میں خاندان کا تصور :

مغرب میں خاندان کے تصور میں جو توڑ پھوڑ ہوئی ہے اس سے ہر فرد تنہا ہو کر رہ گیا ہے، بے حیائی اور بدکاری نے لاکھوں کروڑوں انسانوں سے ماں باپ کی شفقت چھین لی ہے۔ اس سے معاشرہ جس فساد اور کرب کا شکار ہوا ہے اس کا احساس آہستہ آہستہ مغرب کے معاشرہ شناسوں میں تقویت پکڑ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ عرصہ سے خاص طور پر **Mother Day** کا اہتمام کیا جانے لگا ہے۔ اس روز اولاد ماں باپ کے ساتھ دن گزارنے کی کوشش کرتی ہے اور ان کی خدمت میں تحفے پیش کرتی ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سارے سال کی تنہائی اور طویل دورِ ہجر کی تلافی ایک دن کی اس نمائش سے نہیں ہو سکتی۔ شب و روز کی ماں کی محبتوں اور ٹھنڈی چھاؤں سے محرومی کا مداوا ایک دن کی چند گھڑیاں نہیں کر سکتیں ماں باپ کی صحبت میں کچھ وقت گزارنے اور ان کی



شفقتوں کو سمیٹنے کی انسان کو ہر روز ضرورت ہوتی ہے۔ ہمارے شب و روز کی دکھوں پر دکھی ہو کر فریاد کرنے والی ماں، ہمارے گھر سے رخصت ہوتے ہوئے دعاؤں کے سائے میں رخصت کرنے والی ماں، گھر میں قدم رکھتے ہی بسم اللہ کہنے والی ماں اور ایک کانٹا چبھ جانے پر تڑپ اٹھنے والی ماں کیلئے سال بھر میں ایک دن؟ الامان، انسانوں نے زندگی کو نمائش رسوم، ظاہری قوانین اور خود فریب آداب کا اسیر کر لیا ہے۔ زندگی اپنی فطری روش پر ہو ماں باپ کو Old People homes کے حوالے کرنے کا عذاب انگیز فیصلہ ہرگز نہ کیا جائے۔

ماں کی عظمت کے پہلو تو طرح طرح سے کھلتے ہیں۔ ہم دو مثالیں خدائے بے عدیل کے کلام بے مثال سے عرض کرتے ہیں۔

### ماں کی مشقتیں :

قرآن حکیم میں ”والدین“ کا ذکر عموماً اکٹھا آیا ہے۔ دونوں سے حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے، دونوں کے سامنے ”اُف“ تک کہنے کی ممانعت کی گئی ہے لیکن ایسے احکام کی دلیل پیش کرنے کی نوبت آئی تو ماں کی زحمتموں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ماں جو تکلیفیں اولاد کی پرورش میں جھیلی ہے اس کی طرف توجہ دلا کر اولاد کے انسانی جذبوں کو انگیزت کیا گیا ہے۔ سورہ احقاف کی یہ آیت ملاحظہ فرمائیے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ

كُرْهًا“۔ (الاحقاف: ۱۵)

”اور ہم نے انسان کو اس کے اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی نصیحت کی، اسے اس کے ماں نے درد جھیلے ہوئے اپنے بطن میں اٹھائے رکھا اور پھر عالم کرب میں اسے جنا۔“



سورہ لقمان میں بھی ایسی ہی کیفیت ہے۔ آیت پر نظر کیجئے :

”وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ“۔ (لقمان: ۱۴)

اور ہم نے انسان کو اپنے والدین سے حسن سلوک کی نصیحت کی، اسے اس کی ماں

نے درد پر درد جھیل کر اپنے پیٹ میں اٹھائے رکھا۔

کمزوری، نقاہت، درد اور صدمے۔۔۔۔۔ ماں اپنے بچے کے لئے کس کس عالم

سے گزرتی ہے، کیا کیا غم جھیلی ہے، اسے دیکھنا اسے سمجھنا روزمرہ ہے لیکن حیرت ہے انسان

کو پھر بھی یاد دلانا پڑتا ہے، متوجہ کرنا پڑتا ہے، خاص طور پر ماں جو غم زیادہ سہ جاتی ہے اور

شکوہ سنج کم ہوتی ہے، درد زیادہ جھیل لیتی ہے، آہ لب پر کم لاتی ہے، انسان کی زیادہ توجہ اور

محبت کی محتاج ہے۔ شاید اسی لئے مثال اسی کی دی گئی ہے۔

والدہ کے ایک سانس کے حق کی ادائیگی بھی نہیں ہو سکتی :

بعض افراد واقعہً اپنے ماں باپ کے لئے زچمتیں اٹھاتے اور مشقتیں جھیلتے

ہیں، اپنے لباس پر ان کے لباس کو اور اپنی غذا پر ان کی غذا کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کے علاج

معالجے کیلئے تگ و دو کرتے ہیں۔ بعض تو ان کے نام پر شفا خانے بنا دیتے ہیں، غریب

پروری کرتے ہیں یہ سب امور قابل قدر ہیں، نتیجہ بخش ہیں اور ان شاء اللہ پروردگار کے

ہاں باعثِ اجر و ثواب ہیں لیکن کیا اس طرح سے ماں باپ کا حق ادا ہو جاتا ہے؟ اس سلسلے

میں ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کتنے پردے اٹھا دیتا اور کتنے پرت کھول دیتا ہے۔

غور کیجئے گا! ایک شخص اپنی والدہ کو کمر پر اٹھائے طواف کعبہ کروا رہا تھا۔ اس نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میں نے اس طرح

خدمت کر کے اپنی والدہ کا حق ادا کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک سانس



کا بھی حق ادا نہیں ہوا۔

اس آئینہ میں وہ افراد اپنا چہرہ ضرور دیکھ لیں جو ماں باپ کے کسی کام آ کر اترانے لگتے ہیں اور احسان جتلانے لگتے ہیں۔ قرآنی تعلیم تو یہ ہے کہ کسی عام انسان پر جس نے کبھی آپ سے حسن سلوک نہ بھی کیا ہو، اس پر بھی احسان کر کے مت جتلاؤ۔ عرفائے الہی کے نزدیک نیکی کر کے اسے جتلانے سے نیکی ضائع ہو جاتی ہے۔ ایسے میں والدین کی بے ریا اور بے پناہ نیکیوں کا عوض ادا کرنا انسان کے بس میں نہیں لہذا آپ ان کیلئے جو زحمت اٹھائیں یقین رکھیں کہ :

ع حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اماں جی مرحومہ و مغفورہ کے مبارک تذکرہ اور سیرت و سوانح کے حوالے سے ایک واقعہ رہ کر یاد آتا اور حافظہ کی سکریں پر اُبھرا بھر کر سامنے آتا ہے ترتیب و تسوید کے لحاظ سے اسے پہلے اور بہت پہلے آ جانا چاہئے تھا مگر یہاں ترتیب مقصود نہیں، تذکرہ تاریخ اور علمی زندگی کے لئے ترغیب مقصود ہے میرا یہ سلسلہ تحریر نہ کوئی مستقل تصنیف ہے نہ تذکرہ نہ سوانح اور نہ کوئی مرتب تاریخ ہے، جذبات ہیں، یادیں ہیں، محبتیں ہیں، شفقتیں ہیں یادیں آتی ہیں تو رلاتی ہیں اور جب جذبات بے قابو ہو جاتے ہیں تو قلم کے آنسو بن کر صفحہ قرطاس کی زینت بن جاتے ہیں.....

ٹپک پڑتے ہیں آنسو جب تمہاری یاد آتی ہے

یہ وہ برسات ہے جس کا کوئی موسم نہیں ہوتا

اور دکان واپس کر دیا :

والد مرحوم کا انتقال ہوا، ورثے میں ایک چلتا ہوا دکان بھی چھوڑ گئے دکان غیر کا تھا



مگر دکان کا سامان والد مرحوم کا مالک دکان کے پاس نہ تو کوئی رسید تھی نہ مالکانہ حقوق کی سند نہ وصولی کرایہ کی پرچی اور نہ کرایہ کے معاہدہ کا کوئی وثیقہ ادھر گھر یلو حالات اور معاشی ضروریات کا تکفل ناگفتہ بہ تھا ایسے حالات میں لے دے کر دکان پر نظر پڑتی تھی دکان میں جو سامان موجود تھا سب بیچ ڈالا اور گھر یلو ضروریات پورے کرنے کے لئے جب وہ سارا سامان ختم ہو گیا اور حالات مزید بھی نازک ہو گئے تو مہربان، مشیر، ہمدرد، یہی خواہ دانشور، عدالتوں کے ماہرین، قانونی تجربہ کار سب اپنے بن گئے ان کے مگر چھ کے ٹسوں دیکھ دیکھ کر بظاہر دل گواہی دیتا تھا کہ یہ لوگ واقعہ ہمارے یہی خواہ ہیں انہیں یتیموں سے محبت ہے، بیواؤں پر شفقت ہے انہیں اللہ کی رضا اور جنت مطلوب ہے سب نے کہا یہ دکان مدتوں تمہارے والد صاحب کے پاس رہی قبضہ ان کا قانونی حق ہے اور موجودہ عدالتی نظام میں قبضہ ملکیت کا پیش خیمہ ہے یہ دکان ہرگز واپس نہ کی جائے ان کے پاس اپنی ملکیت اور پھر کرایہ کے لئے دینے پر کوئی قانونی ثبوت نہیں ہے مقدمہ لڑ کر جیت جائیں گے اور دکان تمہارے غربت کے ایام میں کفالت کا ذریعہ بن جائے گی ان کی دل پسند اور رنگ آمیز باتیں مجھ کمسن اور یتیم کے دل کو موہ لیتی تھیں جب والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان لوگوں کے دکھائے ہوئے سبز باغ اسے دکھاتا۔ فرماتیں :

بیٹا! میں جانتی ہوں دکان ہماری نہیں ہے، ملکیت نہیں ہے آپ کے والد نے کرایہ پر لی تھی جب ہم کرایہ ادا نہیں کر سکتے اور دکان میں کوئی کام کرنے والا ہی نہیں ہے تو واپس کر دینی چاہئے آخر خدا کو جواب دینا ہے بیٹے! ان لوگوں کی باتوں میں نہ آنا یہ ناجائز مقدمات میں پھنسا دیتے ہیں ہمیں پرانے مال کی کیا ضرورت ہے آخر اپنے والد مرحوم کی قبر کو آگ سے کیوں بھرتے ہو بیٹا جلدی سے معززین کو بلاؤ اور ان کے سامنے دکان واپس کر دو ہمارا



رازق بھی اللہ ہے مالک بھی اللہ ہے اب صبر کرو صبر صبر دے گا ضرور اللہ دے گا اور چھت پھاڑ کر دے گا۔

اس موقع پر شعر یاد آ گیا واہ کتنا بر موقع بر محل اور غالباً شاعر نے اس روز اور اسی کیفیت کے لئے کہا تھا گویا نگینہ کو انگشتری مل گئی.....

گلہ نہیں جو گریزاں ہیں چند پیمانے  
نگاہ یار سلامت ہزار میخانے

پھر ایک روز اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے سب بچوں کو اکٹھا کر کے فرمایا :  
”بیٹو! تمہارے والد مرحوم نے انتقال کے وقت فرمایا تھا کہ یتیموں کا اصل سہارا خود پروردگار بن جاتے ہیں“ میرا تو اپنے رب پر یقین ہے کہ وہ ہم سب کو رزق حلال دے گا۔ یہ دکان پرانی ہے اور خود ذاتی طور پر میں جانتی ہوں پرانی ہے، پرایا مال کھانا حرام ہے اور حرام اگر لاکھوں کا آئے تب بھی حرام ہے اور اس بے چارے دکان سے تو چند ٹکے ملیں گے اور اس سے کیا بنے گا، کروڑوں کے حرام کو بھی بقا نہیں ہے، لہذا میں چاہتی ہوں کہ یہ دکان مالک دکان محترم سید کلال کو واپس کر دوں۔ ہم سب بچوں نے تائید کی تو اماں جی مرحومہ خوش ہو گئیں۔ دوسرے روز مالک دکان کو اپنے گھر بلایا، وہ ڈیوڑھی میں آ کر کھڑے ہو گئے، اماں جی مرحومہ نے اوٹ کے پیچھے کھڑے ہو کر اپنی دو ماہہ تاخیر پر ان سے معافی مانگی، والد مرحوم کے ذمہ دو ماہ کے بقایا کرایہ جات کی ادائیگی کی ذمہ داری لی جو مالک دکان نے معاف کر دیئے۔ اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے انہیں دکان کی چابی حوالے کر دی اور اس طرح اللہ کریم نے ہم لوگوں کو حرام کی آمد و کمائی کے کھانے سے محفوظ رکھا، واجرہم علی اللہ۔“



یہ سب اماں جی مرحومہ کا خلوص تھا جس نے اس کی اولاد کو حرام کی آمدنی و غذا سے محفوظ رکھا اور مجھے یقین ہو گیا کہ خلوص روشن محلوں میں رہنے والوں کی نسبت تاریک جھونپڑوں میں پرورش پائے ہوئے انسانوں میں زیادہ ہوتا ہے۔

بہر حال ایسا ہی ہوا، دکان واپس کر دی گئی اماں جی واپسی کے روز اتنی خوش تھیں جیسے انہیں جنت کا پروانہ مل گیا ہو، فرماتی تھیں خدا کا شکر ہے کہ ہم لوگوں کی باتوں میں نہیں آئے اور اللہ کا شکر ہے کہ آج والد مرحوم کو قبر میں سکون نصیب ہوا ہوگا.....

ہزاروں دیپ جلا کر جو آپ بجھ جائے  
ہم اس چراغ کے بجھنے کا غم نہیں کرتے

والد مرحوم کے قرض ادا کر دیئے :

والد مرحوم کی گلو خلاصی اماں جی مرحومہ و مغفورہ کی مساعی کا اولین ہدف تھا، دکان کے کام کی وجہ سے والد مرحوم مقروض ہو گئے تھے انتقال ہو گیا مگر قرضہ ادا نہ ہو سکا وراثت میں دو تین گائیں بھی رہ گئی تھیں ان کا دودھ فروخت کر کے گھریلو ضروریات کی تحصیل اور قوت لایموت حاصل ہو جایا کرتا تھا ایسے میں ان سیٹھوں نے اپنے قرض کی وصولی کا مطالبہ کر دیا جن سے ابا جی مرحوم دکان کا سامان لایا کرتے تھے۔

ان کے قاصد بار بار آتے تو ہم بچے لوگ گھبرا گئے اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے فرمایا گھبرانے کی کوئی بات نہیں وہ تو اپنا حق مانگتے ہیں اور انہیں حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے حق کا مطالبہ کریں، مسئلہ یہ نہیں کہ وہ کیوں اپنے حق کا مطالبہ کرتے ہیں مسئلہ یہ ہے کہ ہم کس طرح ان کا حق ادا کر کے آخرت میں ابا جی مرحوم کی گلو خلاصی کر سکتے ہیں، جب قرآن سے معلوم ہوا کہ قرض خواہ ایک ہفتہ بعد آنے والے ہیں تو اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے ایک ہفتہ میں



گائیں فروخت کر دیں جب قرض خواہ پہنچے تو ان کی مطلوبہ تمام رقم 'نقدی کی صورت میں ان کے ہاتھوں میں تھادی۔

ہم بچے لوگ پریشان تھے عرض کیا اماں جی، کچھ روز ان لوگوں کو ٹرخاتے، ہم لوگ گائے اور دودھ کے مزے اڑاتے وہ ہمیں غریب اور نادار سمجھ کر معاف کر دیتے ارشاد فرمایا بیٹے! پرانی چیز پرانی ہوتی ہے آخر بابا جان کی بھی گلو خلاصی کرنی ہے پرانی دولت پر مزے اڑانا کب کی عقلمندی ہے گھر کی ٹوٹی چار پائی غیروں کے قالینوں سے بہتر ہے غالباً اسی موقع کے لئے کسی نے کہا تھا.....

اپنی مٹی پہ ہی چلنے کا طریقہ سیکھو

سنگِ مرمر پہ چلو گے تو پھسل جاؤ گے

علماء سے محبت :

1971ء میں میں نے دسویں کا امتحان دیا، 70ء، 71ء کے الیکشن کا زمانہ تھا

قائد ملت مولانا مفتی محمود اور ضیغم اسلام مولانا غلام غوث ہزاروی اور حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی کی علمی اور روحانی اور سیاسی عظمتوں کے چرچے تھے۔ میں بھی اپنے استاذ مولانا صاحبزادہ عبدالحلیم مرحوم (چودھوان) کی صحبت و قربت کی برکت سے جی ٹی آئی سے وابستہ ہو گیا اور الیکشن کے ایام میں کمسن ہونے کے باوجود ایک ذمہ دار کارکن کی حیثیت سے کام کیا۔

حضرت درخواستی، مولانا مفتی محمود اور مولانا غلام غوث ہزاروی میری آئیڈیل شخصیتیں تھیں۔ گھر میں احباب میں اپنے معاصر دوستوں میں بس ان کے علمی کمالات کا چرچا رہتا تھا۔ میری باتیں سن سن کر اماں جی مرحومہ و مغفورہ خوش ہوا کرتی تھیں اور گھر میں کہا کرتیں، شکر ہے کہ اپنے بیٹے کا تعلق علماء کے ساتھ ہے۔



علماء کے لئے قربانی اور ڈیوٹی :

الیکشن کے ایام میں میں بے حد متحرک تھا۔ کچھ میری وجہ سے اور اصلاً اپنی طبعی افتاد کے پیش نظر اماں جی مرحومہ و مغفورہ مولانا مفتی محمود کے لئے قومی اسمبلی اور مولانا قاضی عبداللطیف کے لئے صوبائی اسمبلی کے خواتین بوتھ میں الیکشن ایجنٹ کے طور پر کام کرنے کے لئے آمادہ ہو گئیں اور بڑی جرأت مندی سے ڈیوٹی ادا کرتی رہیں۔ پھر ایک مرحلہ ایسا بھی آیا کہ بوگس پولنگ اور پی پی پی کے بعض خواتین کے بے جا حرکات پر جب احقر نے اپنے رفقاء سمیت بھرپور نوٹس لیا اور ہم لوگ پولنگ بوتھ پر آخری اقدام تک کے لئے تیار ہو گئے۔

حکیمانہ مشورہ :

اور ایک موقع پر جب پولیس کی بندوقیں مجھ پر تن گئیں تب بھی اماں جی مرحومہ و مغفورہ نہ تو گھبرائیں نہ پریشان ہوئیں بلکہ پامردی، صبر و تحمل اور تدبر سے کام لیتے ہوئے مجھے حوصلہ اور تحمل کی تلقین کی اور فرمایا:

”بیٹا! اشتعال سے کام نہ لو، انتقام کے لئے آگے نہ بڑھو، اندر خواتین میں جس انداز سے میں کام کر رہی ہوں اور جمعیت کے حق میں جو بہترین اور نافع پولنگ ہو رہی ہے، جنگ و جدال اور آویزش اور ہمارے اشتعال میں آجانے سے وہ بھی ختم ہو جائے گی۔ فرمایا: بیٹے! یہ بھی دشمن کی چال ہے، تمہیں الجھادے، خواتین کو ڈرا اور دھمکا دے اور اندر اندر اپنا کام پورا کر لے۔“

مجھے اب بھی وہ منظر اور اماں جی مرحومہ و مغفورہ کا حوصلہ تدبر اور حکیمانہ مشورہ یاد آتا ہے تو دل عیش عیش کراٹھتا ہے اور بے اختیار دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔ بعد میں



حضرت مولانا مفتی محمود نے اماں جی مرحومہ و مغفورہ کے بے باکانہ اور مجاہدانہ کردار پر انہیں  
توصیفی تحریر اور ایک دوپٹہ بھی بھیجا تھا۔ فرمایا کرتیں:

”بیٹا! یہ علماء اور حضرت مفتی صاحب کے مبارک ہاتھوں کی

چیز ہے دنیا میں بھی پردہ ہے اور آخرت میں بھی گناہوں کے پردہ کا ذریعہ

بنے گا۔“

## تحصیلِ علمِ دین کی اجازت :

میٹرک پاس کرنے کے بعد گھریلو حالات، خاندانی اور علاقائی روایات کے

مطابق مجھے بھی بہر حال ملازمت کر لینی چاہئے تھی۔ والد مرحوم کی وفات کے بعد گھر کی تمام

ذمہ داریاں میرے سر پر تھیں مگر مجھے تحصیلِ علمِ دین کا ذوق ملازمت اور نوکری سے روک رہا

تھا۔ اماں جی مرحومہ و مغفورہ کا خیال اور ارادہ یہی تھا کہ مجھے گھریلو معاشی ذمہ داریاں

سنجھانے کے لئے نوکری کرنی چاہئے۔ اس کے سامنے علمِ دین کی وسعتیں، عظمتیں اور

نصابِ تعلیم کی وہ جامعیت اور حقیقت نہیں تھی جو درسِ نظامی کے طلبہ، علماء اور اساتذہ جانتے

ہیں۔ مگر میرے شوقِ بار بار تحصیلِ علمِ دین کے عزائم کا اظہار بلکہ بے چینی اور اضطراب کی

حد تک علمِ دین کی تحصیل کے لئے دینی مدارس کا ذکر، انتخاب، ایک ایک سے مشورہ اور گھر میں

اس کا تذکرہ۔ جب اماں جی مرحومہ و مغفورہ دیکھتیں اور سنتیں تو خوش ہوتیں۔ فرماتیں:

”بیٹے! اگر واقعہً تم علمِ دین کی تحصیل کے لئے سنجیدہ ہو اور شوق ہے

تو بیٹا! میں یا میری ضروریات اور گھریلو تقاضے اور حالات کبھی اس کے لئے

رکاوٹ نہیں بنیں گے۔ بیٹے! علمِ دین پڑھ لو گے اور کچھ نہ سہی ہماری نجات

کا وسیلہ تو بن جاؤ گے۔“



بہر حال مجھے اجازت مل گئی اور میں تحصیل علم دین کی غرض سے اپنی درسگاہ کے انتخاب کی تگ و دو میں لگ گیا۔ تحصیل کلاچی کی قدیم دینی درسگاہ مدرسہ عربیہ نجف المدارس (کلاچی) میری اولین مادر علمی قرار پائی۔ گھریلو حالات، خاندانی امور، معاشی چیرہ دستیوں اور یتیمی و مظلومیت چولی دامن کے ساتھ کی طرح میرے ساتھ لگے ہوئے تھے۔

## ایک دردناک کہانی :

اور آج اسے حسن اتفاق ہی کہئے کہ عزیز القدر محمد طاہر سلمہ میرے پاس جو کتاب پڑھنے آئے تو وہ ”حکیم محمد سعید شہید کی زندگی کی کہانی خود ان کے زبانی ہے“ اور آج جو سبق پڑھا اس کا عنوان ”ایک دردناک کہانی“ ہے۔ بچے کو پڑھایا، حدیث دیگران میں سر دلبران کے طور پر نذر قارئین ہے۔ کچھ نام اور اشارے بدل دیئے جائیں تو یہی اماں جی کی داستان بھی ہے اور اپنی آپ بیتی بھی.....

”نوناہلو! میں تم کو ایک کہانی ضرور سناؤں گا۔ میرے والد کا انتقال ۱۹۲۲ء میں ہو گیا۔ میں تو دو سال ہی کا تھا۔ بھائی عبدالوحید سات سال کے تھے۔ بڑے بھائی عبدالحمید ۱۲ سال کے تھے۔ ہمدرد و خانہ تو اس وقت بہت بڑا تھا۔ میری والدہ پردہ دار خاتون تھیں اور اب تنہا تھیں۔ خاندان کے مسائل پیدا ہوئے۔ میرے دادا رحیم بخش صاحب نے ہمدرد پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا، میرے چچا اپنے والد کے ہم نوا تھے۔ بات اس قدر بڑھی کہ ان دونوں نے میری والدہ کو گھر سے باہر نکال دیا۔ ان کو سخت ایذائیں پہنچائیں۔ اس شدید حالت میں میری والدہ نے بڑی ہمت سے کام لیا۔ انہوں نے اپنے بھائی حافظ نور محمد سے مدد لی اور ہمدرد کے ایک خادم اور میرے والد کے رفیق منشی



مشرف علی بدایونی بھی مددگار ہوئے اور بڑی مشکل سے ہمارے دادا اور چچا دست بردار ہوئے۔ ان کا کہنا تھا کہ میرے بیٹے اور میرے بھائی کا کاروبار ہے، مالک ہم ہیں۔ حالانکہ ان کا کوئی حق نہ تھا۔ انہوں نے میری والدہ کی بڑی بے عزتی کی تھی۔ میری والدہ نے یہ حالات ہم تک پہنچائے۔ اس لئے ہم اپنے دادا اور اپنے چچا سے دور رہتے تھے۔ مگر میری والدہ محترمہ نے حالات کو سنبھال لیا۔ اگر وہ ہمت نہ کرتیں اور پردے میں رہ کر کاروبار پر نگاہ نہ رکھتیں تو ہمدرد باقی نہ رہتا۔ ہمارے خاندان کی یہ ایک بڑی دردناک کہانی ہے۔ میری والدہ نے بڑی جرأت مندانہ زندگی گزاری ہے۔ وہ نہ صرف ہمدرد پر گہری نگاہ رکھتی تھیں بلکہ خاندان کی وہ لیڈر بھی تھیں۔ کیا مجال کوئی ان کی بات ٹال دے۔ خاندان کے اکثر فیصلے وہی کرتی تھیں۔ ان کی مرضی کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھ سکتا تھا۔“

بعینہ کچھ ایسا ہی قصہ ہمارا بھی ہے۔ والد مرحوم کی وفات کے بعد اپنے خاندانی بزرگ اپنے نہیں رہے تھے۔ جرم یتیمی تھا، ہم بہن بھائیوں کی تعلیم و کفالت سے لے کر اجتماعی امور و حفاظت تک کی تمام ذمہ داریاں بظاہر اسباب اماں جی مرحومہ کے سر تھیں، وہ بچوں کی ماں بھی تھیں، گھر کی منتظمہ بھی، اولاد کی مربیہ بھی، اہل محلہ کے بچوں اور بچیوں کی معلمہ بھی، سوسائٹی کی ایک معزز رکن بھی اور زمینداری کے امور میں ماہرہ بھی، زمینوں کے کاشت سے حصول فصل تک کے تمام مراحل خود عبور کرتیں، زمینوں کے فرد گرد آوری کے کاغذات سے لے کر مقدمات کی فائلوں تک کو خود سمجھتی بھی تھیں اور حکمت و تدبیر سے یہ امور اس میدان کے لوگوں سے حل کرا لیا کرتی تھیں۔



## لا علاج کینسر کا کامیاب معالجہ

احقر کے چھوٹے بیٹے حافظ محمد طاہر کو 1995ء میں شدید اور بظاہر لا علاج کینسر کا مرض لاحق ہو گیا تھا۔ ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق ایک فیصد بچنے کی امید بھی نہیں تھی۔ اس موقع پر پروردگار کی قدرت کا کرشمہ اور والدہ کی خدمت کو بچے کے معالجے پر ترجیح کے ثمرات ظاہر ہوئے اور خرقِ عادت کے طور پر بچہ کینسر کے جان لیوا مرض سے شفا یاب ہو گیا۔ اس موقع پر احقر نے اپنے مہربان دعا گو اور بزرگ عالم دین حضرت مولانا حافظ ابراہیم بن احمد امجدی مدظلہ (لندن) کو مفصل خط لکھا تھا جو اب ریکارڈ میں مل گیا۔ ذیل میں اسے بھی شریکِ اشاعت کیا جا رہا ہے، اللہ کریم سب کو والدہ کی خدمت و قدم بوسی کی سعادت سے مالا مال فرمائے اور دنیا و آخرت کی مشکلات رفع ہوں۔

مکرمی و محترم المقام جناب مولانا ابراہیم امجدی صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے

آپ حضرات کی دعائیں، توجہ اور قلبی میلان تھا کہ اللہ کریم نے بظاہر وسائل کے

قطعی انقطاع کے باوصف والدہ محترمہ کو حج بیت اللہ کی توفیق ارزانی فرمائی اور مجھے ان کی



دعاؤں کے صدیقے ان کی خدمت کا موقع عطا فرمایا۔ آپ کی پر خلوص دعاؤں کے صدیقے احقر کو سفر حج میں والدہ کی خدمت کی سعادت حاصل ہوئی، والدہ ماجدہ نے حج اور احقر نے سفر حج کے تمام مقدس مقامات پر خصوصیت سے اپنے والدین، اساتذہ، مرید اور محسنین کی طرح آپ حضرات و جملہ اہل خاندان کو بھی اپنے دعاؤں میں یاد رکھا۔

میرا چھوٹا بچہ محمد طاہر شدید بیمار تھا اور اسے دائیں پاؤں میں کینسر کی شکایت تھی۔ جمعہ کے روز (جبکہ اتوار کو روانگی تھی) اسلام آباد کمپلیکس، اسلام آباد سی ایم ایچ اور نم ہسپتال پشاور اور دیگر تمام ڈاکٹروں اور اپنے ہی خواہوں کی یہ متفقہ رائے تھی کہ اسے دو منہ کا پاؤں فوراً کاٹ دینا چاہیے اور وہ اس میں کوئی ایک بال برابر کی گنجائش اور ایک دو منہ کی تاخیر کے لئے روادار نہ تھے۔ احقر کو ابھی تک حج کی منظوری کی اطلاع نہیں ملی تھی اور اسی کشمکش میں تھا کہ بچہ شدید علیل ہے اور ایک عذر معقول ہے۔ والدہ ماجدہ کے سامنے بھی یکم اپریل سے مسلسل بچے کی شدید علالت کا ذکر ہوتا رہا اور ڈاکٹروں کی رائے کا بھی (تاہم بچے کے مرض کینسر اور اس کے لاعلاج ہونے کو خفیہ رکھا گیا والدہ کو اس سے آگاہ نہیں کیا) ہم چاہتے تھے کہ والدہ محترمہ کی زبان سے خود یہ نکلے کہ بچے کی شدید علالت کے پیش نظر حج کا پروگرام ملتوی ہو جانا چاہیے مگر آخر تک والدہ محترمہ کی منہ سے ایسا کلمہ نہیں نکلا بلکہ ان کا اصرار تھا کہ اسے اس سال حج کر دینا چاہیے اور جب جمعہ کے روز ڈاکٹروں کے قطع فیصلے آ گئے کہ پاؤں کٹنا چاہیے، ہفتے کے روز ہم اسی پریشانی میں تھے کہ ادھر سے حج کی منظوری کی اطلاع بھی آ گئی۔

ایک مرتبہ دل میں یہی فیصلہ کیا کہ ایسی شدید ترین صورت حال میں جب شریعت بھی انسان کو معذور قرار دے تو حج کا پروگرام ملتوی ہونا چاہیے، التوا کے فیصلہ سے



والدہ بھی ناراض نہ ہوں گی جب اسے بتا دیا جائے کہ ڈاکٹر نے بچے کا پاؤں کاٹنے کا حکم دیا ہے اور کہا ہے کہ اگر کینسر کہ اس مریض کا پاؤں نہ کاٹا گیا تو اس کی زندگی خطرے میں ہے مگر اسی لمحے دل میں خیال آیا اور قوی تر ہوتا چلا گیا کہ شاید اگلے سال والدہ کی خدمت کا موقعہ نہ مل سکے ان کی علالت اور صحت اس کی اجازت نہ دے۔

ایک اپنے مہربان دوست پروفیسر افضل رضا صاحب نے کہا کہ آپ قبلہ اور کعبہ جا رہے ہیں دوسرا قبلہ والدہ ہے تو پھر پریشانی کیوں؟ سب کچھ خدا پر چھوڑ دیجئے، بس یہ خیال اتنا پختہ ہو گیا کہ دوسرے خیالات کی طرف توجہ ہی نہ رہی اور دل میں بچے کی مقابلہ میں والدہ کی خدمت کو ترجیح حاصل ہو گئی مگر والدہ ماجدہ کو ڈاکٹروں کی یہ رائے نہیں بتائی کہ بچہ کی شدید علالت اور خطرناک کینسر کا علم ہو کر اس کا حج خراب نہ ہو، اہلیہ کو بھی نہیں بتائی کہ وہ فوراً رونا دھونا اور ماتم شروع کر دے گی صرف میرا بھانجا حافظ حبیب الرحمن اس راز سے باخبر تھا۔ اسی روز اپنے خاندانی بزرگ بزرگوارم جناب الحاج شیر علی خان صاحب کو خط لکھ دیا اور بڑی ہمشیرہ بھی پہنچ گئیں۔ ان کو بھی ڈاکٹروں کا یہ فیصلہ نہیں بتایا۔ البتہ ارنم ہسپتال کے ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر شیر محمد خان صاحب کو خط لکھ دیا کہ میرے بچے کو ہسپتال میں داخل کر دو اخراجات جو بھی آئیں ہم برداشت کرتے رہیں گے مگر پاؤں کاٹنے کی اجازت نہیں ہے اور یہ بھی ڈاکٹروں سے معلوم ہوا تھا کہ ارنم کے معالجے پر کم از کم ڈیڑھ دو لاکھ روپیہ خرچ آئے گا۔ ہم اتوار کے روز سفر حج پر روانہ ہوئے، یہ غالباً یکم مئی تھی۔

۱۲ مئی کو ارکان حج سے فارغ ہوئے تو مدینہ منورہ کے لئے روانگی ہوئی مگر میں خدا گواہ ہے طواف، عرفات، مزدلفہ، منی کسی بھی مقام پر مناسک اور عبادت پر توجہ نہ دے سکا۔ ہر طواف میں یہی دعا کرتا رہا یا اللہ! گناہوں کا تحفہ اور والدہ کا وسیلہ لایا ہوں اور کچھ بھی



نہیں، پھر جب مدینہ منورہ میں اپنے ایک بزرگ، صوفی عبدالمالک صاحب بنگلہ دیشی (عمر ۹۰ سال) کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ میرے دعا گو بھی ہیں اور بزرگ بھی، جب بھی جاتا ہوں تو ان سے ملاقات ہوتی ہے۔ بعض اوقات ان کے ہاں قیام بھی ہوتا ہے دعاؤں سے، تو جہات سے نوازتے ہیں اور بعض خصوصی عنایات سے بھی نوازا ہے، ان کے ہاں حاضری ہوئی، انہوں نے دسترخوان رکھا، ضیافت کا اہتمام کیا۔

اس دوران اچانک فرمایا حقانی صاحب! میں نے ایک خواب دیکھا ہے اور میں خواب بہت کم دیکھتا ہوں۔ خواب یہ ہے کہ مستشفى العام (ہسپتال) مدینہ منورہ میں ایک ڈاکٹر صاحب ہیں اور ان کے ساتھ کچھ لوگ ہیں، ایک سات آٹھ سال کا بچہ لایا گیا تو بتایا گیا کہ اس کا پاؤں کاٹنا ہے، میں نے کہا اس کا پاؤں نہ کاٹو، اس کا پاؤں نہ کاٹو، اس کا پاؤں نہ کاٹو اور اس بچے کو چھوڑ دو، اس کے بعد میں بیدار ہو گیا، انہوں نے مجھ گنہگار سے پوچھا اس کی کیا تعبیر ہے۔ میں نے عرض کیا حضرت! تعبیر ہوگئی۔ فرمایا کیسے ہوگئی، میں نے سارا پس منظر سنایا اور اپنی آپ بیتی بھی سنائی بلکہ اس سے قبل نہ تو ان کو اس قصہ کا علم تھا اور نہ انہیں کچھ کہا گیا تھا، پھر انہوں نے دعا کر دی اور بڑی دیر تک تضرع اور الحاج سے دعا کرتے رہے پھر فرمایا ٹیلیفون کرو پاکستان کو، میں نے فوراً رابطہ کیا تو حافظ حبیب الرحمن (بھانجے) نے بتایا کہ بچہ ارنم ہسپتال پشاور میں داخل ہوا اور چند روز کے بعد ڈاکٹروں کی رائے بدل گئی اور کہا کہ اب پاؤں کاٹے بغیر بھی علاج ممکن ہے، بیماری کنٹرول ہوگئی ہے، اب بچہ ہسپتال سے جین ہو کر گھر آ گیا ہے اور ٹھیک ہے۔ میرے دل نے نہ مانا، پھر بچے سے میری بات کرائی گئی تب تسلی ہوئی۔

اس کے بعد والدہ ماجدہ کو حرم شریف میں ساری داستان سنائی تو پھر تورتی بھی



رہیں اور دعائیں بھی کرتی رہیں۔ جب پاکستان واپسی ہوئی اور ایئر پورٹ پر اترے تو بچہ استقبال کے لئے موجود تھا۔ اب بھم اللہ دوڑتا پھرتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر شیر محمد خان صاحب مہربان ہوئے اور ہسپتال کی ادویات بھی مفت کر دیں، ڈیڑھ دو لاکھ کے اخراجات سے بھی بچ گئے، واللہ الحمد۔

ایک سال بعد پھر ڈاکٹر شیر محمد خان نے کہا کہ اس نوعیت کا یہ پہلا کیس ہے۔ اب ڈاکٹروں کے بورڈ کا فیصلہ ہے کہ بچے کا پاؤں کاٹنا ہے، میں نے اجازت نہ دی تو کہا اچھا ہڈی کا آپریشن کر کے یہ معلوم کرنے دیں کہ کینسر موجود ہے یا ختم ہو گیا ہے میں نے علماء کے مشورہ سے اس کی اجازت دی، آپریشن ہوا، ہڈی کی لیبارٹری کی رپورٹ آئی کہ کینسر بالکل ختم ہو گیا ہے، ایک جرثومہ بھی باقی نہیں رہا۔ وہ بچہ اب زندہ ہے، بیس پارے قرآن یاد کر لیا ہے، اپنی شکل و صورت عود کر آتی ہے، واللہ علی ذلک۔ اسے میں والدہ ماجدہ کی خدمت کا نقد ثمرہ ہی کہہ سکتا ہوں یا پھر آپ بزرگوں کی مخلصانہ دعاؤں کی برکت ہے۔ اللہ کریم شکرگزاری کی اہلیت عطا فرمادے۔ (آمین)

ت ہزار برق گرے لاکھ آندھیاں اٹھیں

مگر وہ پھول کھلے جو کہ کھلنے والے تھے

پ ۳۵۹ : ..... ۱۵۵۰ : ت لفظ

ہیں وہ ہاں ہاں لہجے رحمتیہ اہل تقا

نات پلہ ہر شہانہ، با آن تان آت پانی اد



القاسم اکیڈمی کی تازہ، عظیم اور شاہکار علمی پیش کش



## شرح شمائل ترمذی

(تین جلد مکمل)

ایک نادر تحفہ

تصنیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

ایک عظیم خوشخبری

حدیث کی جلیل القدر کتاب شمائل ترمذی کی سہل و دلنشین تشریح، سلجھی ہوئی سلیس تحریر، اکابر علماء دیوبند کے طرز پر تفصیلی درسی شرح، لغوی تحقیق اور مستند حوالہ جات، متعلقہ موضوع پر ٹھوس دلائل و تفصیل، رواۃ حدیث کا مستند تذکرہ، متنازعہ مسائل پر تحقیق اور قول فیصل، معرکہ الآراء مباحث پر جامع کلام، علماء دیوبند کے مسلک و مزاج کے عین مطابق، جمال محمد ﷺ کا محدثانہ منظر، نہایت تحقیقی تعلیقات اور اضافے، اردو زبان میں پہلی بار منصفہ شہود پر ..... جدید ایڈیشن میں تمام حوالہ جات اور عربی عبارات کا بھی اردو ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

صفحات : 1220 ..... قیمت : 750 روپے

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد، ضلع نوشہرہ سرحد پاکستان







# عبدالقیوم حقانی کی تصنیفات

